بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو،وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل30پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباتمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے اس کی رحمت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ حق کی حمایت اور اصلاحِ خلق کی خدمت لیتا رہا اور صوفیہ کرامؒ نے (ہر دور میں) جس خلوص وللہیت سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

صوفیہ کرامؒ کے ہاں تعلیم وارشاد اور تزکیہ واصلاح باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے اور یہ تصوّف کا عملی پہلو ہے جس کا انحصار صحبتِ شیخ پر ہے بقول امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ "تصوّف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں"، صحیح اسلامی تصوّف کے خدوخال کا تعین اور اس کی حقیقت سے علمی حلقوں کو روشناس کرانا نہایت ضروری ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان علاقہ قائم رکھنے والی چیز اعتصام بالکتاب والسنۃ ہے یہی مدارِ نجات ہے قبر سے حشر تک اتباعِ کتاب وسنت کے متعلق ہی سوال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیہ کرامؒ نے شیخ یا پیر کے لئے کتاب وسنت کا عالم ہونا لازم قرار دیا ہے اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا آئے مگر اس کی عملی زندگی کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ ولی اللہ نہیں بلکہ جھوٹا ہے شعبدہ باز ہے کیونکہ تعلق باللہ کے لئے اتباعِ سنت لازمی ہے کما قال تعالیٰ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ "آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے"

تصوّف دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے قرآن وحدیث کے مطالعہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے قرآن حکیم میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے "احسان" سے موسوم کیا گیا ہے اور اسے دین کا ماحصل قرار دیا گیا ہے اس کی تفصیل حدیث جبریلؑ میں موجود ہے مختصر یہ کہ تصوّف، احسان، سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔ اہلِ فن نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

ھو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس وتصفیۃ الاخلاق وتعمیر الظاھر والباطن

لنیل السعادۃ الابدیۃ ویحصل بہ اصلاح النفس والمعرفۃ ورضاء الرب وموضوعہ التزکیۃ والتصفیۃ والتعمیر المذکورات وغایتہ نیل السعادۃ الابدیۃ۔

تصوّف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اس کی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا اسے اس فن اور اہل فن پر تنقید کا حق نہیں پہنچتا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفر جنہیں اپنے علم و تحقیق پر بہت ناز ہے جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ کشف پر آتے ہیں تو اُن کے لئے اس عاجزانہ اعتراف کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں ملتا کہ، ھذا طور وراء طور العقل لا یدرکہ الا اصحاب قوۃ القدسیۃ۔

تصوف اسلامی اصول دین سے ہے اور یہ عبارت ہے خلوص و احسان سے اور بغیر خلوص نہ توحید مقبول ہے نہ ایمان و عمل، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"اہلسنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا گنتے ہیں" اہل سنت اور صوفیہ محققین نے تصوّف اور عقیدہ تصوف کو کتاب وسنت سے وراثۃً پایا ہے اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں یہ صوفیہ کرامؒ کا اجماعی مسلک ہے ہاں وقتاً فوقتاً جو خرابیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں محققین اس کی اصلاح کرتے رہے۔ تصوف و سلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم و عمل، زہد و تقوی اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے، حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں۔

"ان سیرتھم احسن السیر وطریقتھم اصوب الطرق واخلاقھم ازکی الاخلاق، بل لو جمع عقل العقلاء وحکم الحکماء وعلم الواقفین علی اسرار الشرع من العلماء لیغیروا شیئاً من سیرھم واخلاقھم ویبدلوہ بما ھو خیر منہ لم یجدوا الیہ سبیلا وان جمیع حرکاتھم وسکناتھم فی ظاھرھم وباطنھم مقتبسۃ من نور مشکوۃ النبوۃ

ولیس وراء نور النبوۃ علی وجہ الارض نور یستضاء بہ"

میں دعویٰ تو نہیں کرتا مگر بطور تشکر اور تحدیث نعمت اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی میں طلب صادق ہو، نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور غرض فاسد نہ رکھتا ہو تو چھ ماہ کے لئے اس ناچیز کے پاس آجائے، اس پر چند پابندیاں عائد کی جائیں گی مثلاً صالح اور پاک غذا اور وہ بھی مقدار میں کم دی جائے گی "قلت کلام کا عادی بنایا جائے گا، نیند کم کرنی ہوگی، خلوت میں رکھا جائے گا، ذکر واذکار میں مشغول رکھا جائے گا دو وقت توجہ دی جائے گی پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ دیکھے گا کہ روح کیسے پرواز کرتی ہے اور دوران پرواز کیسے نظر آتی ہے یہ چھ ماہ کا عرصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرصہ کی مقدار پر ہے اور کثرت ذکر ارشاد ربانی کی تعمیل کے طور پر کرایا جائے گا کہ واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار اور خلوت و قلت کلام کی پابندیاں الا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا کے مطابق تربیت سالک کے لئے ضروری ہیں۔

عزیزمن! طلب صادق کا فقدان ہے، عوام کا تو ذکر ہی کیا علماء بھی اس کی ضرورت کے احساس سے محروم ہیں الا ماشاء اللہ، علماء کا کہنا یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کر لینا کافی ہے میں کہتا ہوں کہ تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کماحقہ عمل ہو ہی نہیں سکتا، لا الہ الا اللہ پڑھنے سے الٰہ ظاہری کی نفی تو ہو گئی مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہوگا الٰہ باطنیہ کی نفی نہ ہو سکے گی۔ علمائے ظواہر حلال و حرام بیان کر سکتے ہیں مگر حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا انحصار نور بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کے لئے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں وہم، عقل اور نور بصیرت، عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نور بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں، عالم ظاہر ہیں نور بصیرت سے محروم ہے یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثاء علمائے ربانیین اور صوفیائے کرام کو ملی ہے یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

شیخ کامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ

(۱) عالم ربانی ہو کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

۲۔ صحیح العقیدہ ہو، کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوّف وسلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔
۳۔ متبع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہو، کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔
۴۔ شرک و بدعت کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت گمراہی ہے۔
۵۔ علم تصوّف وسلوک میں کامل ہو، کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اُس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے۔
۶۔ شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو اور کسی ماہر فن سے تربیت پائی ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔

اس ناچیز کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً اپنے ہاتھ پر بیعت طریقت کبھی نہیں لی صرف تعلیم دیتا ہوں (لیکن اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اور مشائخ کی اجازت سے ظاہری بیعت بھی لی جاتی ہے تاکہ وہ لوگ جن میں اعلیٰ استعداد نہ ہو وہ بھی اس سلسلہ کی برکات سے محروم نہ رہیں) اور ابتدائی منازل سلوک طے کرا کے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیتا ہوں جو تمام جہان کے پیر ہیں صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں کہ پیر صاحب فرما دیں کہ تمہیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیا بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سالک خود مشاہدہ کرے کہ منازل سلوک طے کر رہا ہے اور دربارِ نبوی میں پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کر رہا ہے اگر کوئی مدعی دربار نبوی تک رسائی نہیں رکھتا پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے ماخوذ ہوگا پس کامل و ناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو۔[1]

---

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ التکشف عن مہات التصوف ص۲۹ میں اس آیہ کریمہ "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ" کے تحت لکھتے ہیں عام فی کل مدع کذاب سواء یدعی النبوۃ او الولایۃ کیف ما کان مھما کان کاذبا دخل تحت ھذہ الآیۃ" یہ ہر جھوٹے مدعی کو عام ہے خواہ نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی قسم کی ولایت کا جب جھوٹا ہو گا اس کے تحت میں داخل ہوگا۔ ذا بہذا الحقیقۃ بالذات العتیقہ۔ ملخصاً من شواہد الاحکام الصوفیہ من القرآن)۔

منازلِ سلوک

جب سالک کے لطائف منور ہو جائیں اور اس میں مزید استعداد پیدا ہو جائے تو شیخ کامل اُسے سلوک کی منازل اس ترتیب سے طے کراتا ہے اوّل استغراق اور رابطہ کرایا جاتا ہے پھر مراقبات ثلاثہ، پھر دوائر ثلاثہ، پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن، پھر سیر کعبہ، سیر صلوٰۃ اور سیر قرآن اور اس کے بعد فنائی الرسولؐ کی منزل آتی ہے، اس کے بعد مراقبہ فنا و بقا کرایا جاتا ہے اس کے بعد سالک المجذوبی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں، خیال رہے کہ سالک المجذوب اور مجذوب سالک میں بڑا فرق ہے، سالک المجذوب متبع شریعت ہوتا ہے اور مجذوب سالک باطنی تولی کے جل جانے کی وجہ سے ظاہراً متبع شریعت نہیں ہوتا، اس سے کسی کو فیض نہیں مل سکتا کیونکہ وہ راستے سے واقف نہیں ہوتا۔ اس سے آگے سلوک کی منازل ماوراء الوراء ہیں، گو باقی سلسلوں میں سالک المجذوب منتہی ہوتا ہے مگر ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں سالک المجذوب مبتدی ہوتا ہے، ولایت صغریٰ یعنی ولایت اولیاء کی انتہاء مقام تسلیم ہے اس سے آگے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے جسے ولایتِ کبریٰ کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو ولایت اولیاء کے منازل انتہا تک طے ہو سکتے ہیں اور کرائے جا سکتے ہیں مگر چونکہ اس کی انتہاء عالم امر اور عالم حیرت میں جا کر ہوتی ہے اس لئے مُدّت درکار ہے اور ولایت انبیاء کی انتہا کسی ولی کو بتائی گئی ہے نہ معلوم ہو سکتی ہے۔

ولایت علیا جو ولایت انبیاءؑ ہے ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو انبیاء علیہم السّلام سے ظاہری اور باطنی مناسبت ہو، ظاہری مناسبت یہ ہے کہ کامل اتباع شریعت ہو، احکام ظاہری کی بجا آوری میں ہرگز سستی نہ ہو، اتباع سنت میں قدم راسخ ہو، شریعت حقّہ سے بے اتفاقی اور تصوّف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔ اور مناسبت باطنی یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب منوّر ہیں اور ملائکہ کے وجود منوّر ہیں اسی طرح عارف کا باطن بھی منوّر ہو۔

بعض صوفیہ کرام کا خیال ہے جیسا کہ امام ربّانیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت انبیاءؑ

مقام رضا پر منتہی ہوتی ہے مگر مقام رضا کے آگے دائرہ کمالات نبوت، پھر دائرہ کمالات رسالت اور دائرہ کمالات اولوالعزمی ہیں اور اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ دائرے مقام رضا کے بعد آتے ہیں پھر مقام رضا کو انتہا کیونکر قرار دیا جائے۔

ان تمام دائروں کے مراقبات میں اصل مقصود مراقبہ ذات باری تعالیٰ کا ہے اور اس کی ذات کے فیض کا انتظار ہے پس کمالات نبوت ورسالت اور کمالات اولوالعزمی کا منشا وہی ذات ہے مگر باعتبار حیثیت کے یہ مراقبات اور ان کی کیفیات بدلتی ہیں مثلاً اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے جمیع قربات یعنی مسجود بیت وغیرہ کا، یہ دائرہ حقیقت صلوٰۃ کا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات تمام نقائص، تمام احتیاجات اور تمام رذائل سے مبرا اور منزہ ہے یہ دائرہ حقیقت صوم کا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے کتب سماوی کا اور ذات واسع بے کیف وبے جہت ہے اس کو دائرہ حقیقت قرآن کہتے ہیں۔ قرآن مجید ذات واسع بے کیف کا مظہر ہے دائرہ حقیقت صوم کے علاوہ باقی تینوں دائرے حقیقت الٰہیہ ہیں اس کو سیرالی حقائق الٰہیہ کہا جاتا ہے یہ تمام دائرے مقام رضا سے آگے ہیں ان کے بعد دائرۂ قیومیت اور اس کے بعد دائرۂ افرادیت، پھر دائرۂ قطب وحدت اور اس کے بعد دائرۂ صدیقیت ہے جو سلوک کی انتہا ہے،

مقام احدیت سے لے کر دائرۂ اولوالعزمی تک نصف سلوک ہے اور باقی نصف اس کے بعد ہے۔

ولایت کی انتہائی منزل دائرہ صدیقیت ہے اس سے آگے منازل سلوک خاص نبوت کی منازل ہیں کسی ولی اللہ کا اس منازل میں جانا ایسا ہے جیسا شاہی محل میں کسی مالی یا ماشکی یا خاکروب کا چلا جانا یا جیسے جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ غیر انبیاء جائیں گے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ازواج مطہرات کا جانا ہے، ان منازل کی تفصیل یہ ہے :

دائرہ قرب نبوت، قرب رسالت، قرب اولوالعزمی، قرب محمدی، وصال محمدی، قرب الٰہی، وصال الٰہی، بدعنائے الٰہی، قرب رحمت، بحر رحمت، خزانۂ رحمت، منبع رحمت اور حجابات الوہیت، ان حجابات کے طے کرنے کے لئے عمر نوح بھی ناکافی ہے حجابات کے بعد بھی غالباً اور منازل سلوک ہوں گے

مگر ابھی تک علم نہیں ہوا، ممکن ہے اس گنہگار پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرما کر آگے منازل بھی طے کرا دے وہ قادر کریم ہے اس کی رحمت سے کوئی بعید نہیں ۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

ان منازل کو طے کرنے کے تین ہی طریقے ہیں۔

اوّل :۔ یہ کہ عارف کی تربیت روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائے

دوم :۔ یہ اتباع نبوی کے واسطے سے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے فیض ملے

سوم :۔ یہ جس کو رسولِ خدا یا فیض ربّی سے تربیت مل رہی ہو اس کی تربیت میں رہ کر کامل بن کر اس کی غیبی توجہ سے فیض حاصل کرے۔

اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور القاء و انعکاس کے بغیر محال ہے ہم نے مقصد اور ذریعہ حصول مقصد کی نشاندہی کردی ہے:

چنیں مردے کہ پابی خاکِ اُو شو ۔ اسیرِ حلقۂ فتراکِ اُو شو

ان مقامات و منازل کے طے کرنے کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) شیخ کامل و اکمل اور صاحب تصرف ہو جو توجہ دے کر سالک کو اس راہ پر چلانا جائے مگر اس کے لئے عرصہ تک دوامِ صحبت شیخ لازمی ہے، گاہے گاہے توجہ اور صحبت شیخ سے تو ولایت صغریٰ کے منازل طے ہوتے رہتے ہیں۔

(۲) کسی کامل کی روح سے رابطہ پیدا ہو جائے لیکن یہ مبتدی کا کام نہیں، البتہ منازل طے ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کامل کے مزار پر جا کر اس کی روح سے رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے، اس کے لئے بھی مسلسل کافی عرصہ تک محنت کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زندہ شیخ کی صورت میں مسلسل توجہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) قبر پر جانے کی بجائے روحانی طور پر رابطہ قائم کرکے فیض حاصل کرے، فیض سے مراد وہ روحانی تربیت ہے جو اہل اللہ سے حاصل کی جاتی ہے جہلاء والا فیض نہیں کہ قبروں کا طواف کرتے رہیں، قبروں پر سجدے کرتے رہیں یا ندائے غائبانہ کرتے رہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہیں۔

(۴) شیخ زبردست جذبے کا مالک ہو مقناطیسی قوت رکھتا ہو، اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو

کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کرلے جائے اور توجہ غیبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کرے۔

(۵) سالک اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان نسبت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سالک کو اس طرح فیض ملے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو براہِ راست فیض ملتا ہے فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر ولی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتباع نبوی کا واسطہ ہو گا۔ یعنی اُسے یہ فیض بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملے گا اور حضورؐ کی جوتیوں کے صدقے یہ فیض حاصل کرے گا۔

آخری دو شعبوں میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کے آدمی صدیوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں، جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اولوالعزم رسول قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اولیاء اللہ میں ایسے آدمی بلند مناصب پر فائز ہوتے ہیں نمبر غوث، قیوم، فرد یا قطب وحدت ہوتے ہیں۔ ان کے بلند مناصب کی وجہ سے ان کی توجہ اور فیض رسانی میں بڑا فرق ہے، قیوم کی ایک توجہ غوث کی سو توجہ کے برابر ہوتی ہے اور اسی طرح سے سلسلہ آگے چلتا ہے، قیوم، فرد اور قطب وحدت دراصل اولوالعزم رسولوں کے مناصب ہیں، ان تینوں کی شان اولیاء اللہ میں اس طرح ہوتی ہے جس طرح انبیاء کرامؑ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے ——

ان مناصب میں سب سے اونچا درجہ صدیقیت ہے، اس کی ترتیب یوں ہے: غوث، قیوم، فرد، قطب وحدت اور صدیق ان مناصب پر صحابہ کرامؓ تو کافی تعداد میں تھے مگر بعد میں بہت ہی قلیل لوگوں کو یہ مناصب عطا ہوئے مگر خیال رہے کہ ان مناصب میں بظاہر مشابہت کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم پلّہ کوئی نہیں ہو سکتا ان کی فضیلت نص سے ثابت ہے اور وہ شرف صحبت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پوری اُمت میں ممتاز ہیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت

ابتدائی منازل سلوک طے کرنے کے بعد ہمارے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت کرائی جاتی ہے، علمی طور پر بھی اس کے شواہد موجود ہیں اولیائے سالکین

اہل اللہ نے اللہ کے بندوں کا رابطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا ہو اور حضورؐ کے توسط سے اللہ تعالیٰ اور بندے کا باہمی تعلق استوار ہو گیا ہو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

"شیخ ابن عطا اللہ نے فرمایا کہ میرے شیخ عارف کامل ابو العباس المرسیؒ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا۔"

اسی طرح عارف علی وفاؒ نے فرمایا:

"میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رُوبرُو دیکھا پھر آپؐ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی نعمت بیان کیا کر۔"

نیز

"از شیخ ابو المسعودؒ آوردہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بعد ہر نماز۔"

اور آخر میں امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی تفصیل سنیئے:

"در چوں ایں معرفت جلیلہ بخاطرم جا گرفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کناں سر از جیب مراقبہ بیروں آوردند و دو دست خویش برداشتند و اشارت فرمودند بہ بیعت و مصافحہ، ایں فقیر برخاست و زانو بہ زانو متصل ساخت و دو دست خود درمیان دو دست آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہادہ بیعت کرد و بعد از فراغ از بیعت چشم فرو بستند الخ۔"

ترجمہ: "جب یہ معرفت میرے دل میں جاگزیں ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سر مبارک اٹھایا اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا، یہ فقیر اٹھا، اپنے زانو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوں کے ساتھ ملائے اور اپنے دونوں ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی، بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں بند فرمالیں۔"

سلسلۂ اویسیہ

روح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاح صوفیہ میں اویسی طریقہ کہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ

سلسلہ حضرت اویس قرنیؒ سے ملتا ہے بلکہ اُویسیہ سے مراد مطلق رُوح سے فیض حاصل کرنا ہے چونکہ رُوح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض دونوں صورتیں ہوتی ہیں اس لئے سلسلہ اویسیہ کی بھی دونوں خصوصیات ہیں اس اصطلاح کو حضرت اویس قرنیؒ سے اگر کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو شاید اس بنا پر کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی بلکہ حضورؐ کی رُوحِ پُرفتوح سے اخذِ فیض کیا تھا اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے اویسیؒ تھے۔

روحانی تربیت روح کا معاملہ ہے اور رُوح سے اخذ فیض یا اجرائے فیض کا انحصار بدن کے اتصال پر نہیں، اس کی مثالیں صوفیائے کرامؒ کے ہاں جا بجا ملتی ہیں مثلاً ابوالحسن خرقانیؒ کو حضرت بایزید بسطامیؒ سے رُوحانی فیض بھی ملا، اجازت تربیت بھی ملی اور آپ کے خلیفہ مجاز بنے حالانکہ بایزید بسطامیؒ اُن سے قریباً ایک سو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے اپنے شیخ حضرت بایزید بسطامیؒ کا نہ تو زمانہ پایا نہ اُن کی صحبت میں رہے نہ ان سے تربیت و اجازت ملی تو پھر اس کی صورت اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ اُن کی رُوح سے فیض اور خرقہ حاصل کیا۔

ہمارے سلسلہ کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان کوئی ...۷ سال کا فاصلہ ہے، میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے محبوب شیخ کی رُوح سے فیض بھی حاصل کیا، خلافت بھی ملی، اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ہمعات ص ۸۶ پر سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔ "این فقیر را آگاہ کردہ اند کہ طریقہ جیلانیہ بمنزلہ جوئے است کہ مسافتے بر زمین میرود و مسافتے دیگر در زمین مستتر می گردد در مسام زمین نفوذ میکند۔ بعد ازاں بو منبع چشمہ باز ظاہر می شود و مسافتے بر رُوئے زمین می رود ثم ہکذا ہکذا۔

و تسلسل خرقہ دریں سلسلہ اگر متصل است اما تسلسل اخذ نسبت دریں طریقہ متصل نیست

ماہنامہ

المرشد چکوال

شمارہ ۱، ۲	ماہ محرم صفر ۱۴۰۱ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۰ء جنوری ۱۹۸۱ء	جلد ۲

زیرِ نگرانی

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب دامت برکاتہم

مدیر مسئول

پروفیسر حافظ عبدالرزاق، ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات)

مجلسِ ادارت (اعزازی)

مولانا محمد اکرم ملک (منارہ ضلع جہلم)

پروفیسر سید بنیاد حسین نقوی، بی اے (آنرز) ایم اے

باغ حسین کمال، ایم اے

شمارہ خصوصی ـــــ چھ روپے

فی پرچہ ـــــ تین روپے

سالانہ ـــــ تیس روپے

ششماہی ـــــ پندرہ روپے

سول ایجنٹ مدنی کتب خانہ

گنپت روڈ، لاہور نمبر ۲

ذوالقرنین چیمبر ۳۰۸

حافظ عبدالرزاق پرنٹر پبلشر "المرشد" نے باہتمام منہاج الدین اصلاحی شرکت، پریس لاہور سے طبع کرا کے

دفتر المرشد [illegible] منزل چکوال سے شائع کیا

یک بار سلسلہ ظاہر میشود بعد ازاں مفقود می گردد، باز بطریق اولیسیہ از باطن کسے ظہور می نماید این طریقہ بحقیقت ہمہ اولیسیہ است ومتوسلاں ایں طریق در ذکر جانیاں غلو و مہابتے دارند واما القادریۃ فقربیۃ من الاولیسیۃ الروحانیہ"

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے پانی زیر زمین موجود رہتا ہے کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر اُبل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے اسی طرح حقیقی تصوف وسلوک بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے اور اُس کی ذات کے واسطہ سے تصوف وسلوک کا چشمہ اُبل پڑتا ہے اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے اسی وجہ سے سلسلہ اولیسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا مگر حقیقت میں وہ متصل ہوتا ہے جو لوگ رُوح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اور اخذتہ العزۃ بالاثم کے تحت جاہلانہ اعتراض کے بغیر کچھ کر نہیں پاتے۔

حضرت امام الہندؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ زود اثر سلسلہ اولیسیہ ہے کیونکہ روحانی سلسلہ ہے پھر قادریہ ہے۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ سلسلہ اولیسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں ہمعات ص ۶۳ پر فرماتے ہیں، ایسا است کہ اولیسی عالم ارواح است اجمالاً۔ یعنی سلسلہ اولیسیہ عالم ارواح ہے۔

ہمعات ص۱۲ پر فرماتے ہیں۔

حاصل کلام ایں است کہ یک خانوادہ میاں مشائخ عظام اولیسی است کہ اکثر بزرگان دریں خانوادہ بودند وسردار سلسلۂ ایشاں خواجہ اولیس قرنیؒ است کہ بحسب باطنی از سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربیت یافتہ پس حضرت شیخ بدیع الدین ہم اولیسی است کہ در باطن تربیت از روحانیت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یافتہ است واز کبار مشائخ ہندوستان است"

مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اولیسیہ بھی ہے جس کے سردار خواجہ اولیس قرنیؒ ہیں۔ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی طور پر فیض حاصل ہوا۔ اور شیخ بدیع الدین کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے مشائخ کبار

ہیں سے ہوئے ہیں"

معلوم ہوا کہ:

(۱) اویسی وہ ہوتا ہے جسے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل ہوا ہو۔

(۲) بڑے بڑے اولیاء اللہ اس سلسلہ اویسیہ کے طریقے سے فیض لیتے رہے ہیں۔

(۳) اس سلسلہ والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح پر فتوح سے فیض لیتے ہیں ـــــ اس سلسلہ کے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں یا ناداں کو کھٹکتی ہے وہ یہ کہ کیا روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض ہو سکتا ہے ؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو یا اس بحر میں خود اتر کر دیکھو، دوسری صورت تو وہی اختیار کر سکتا ہے جس میں طلب اور خلوص ہو البتہ پہلی صورت میں مشائخ اور علماء حق کی توضیحات سے یہ بات ظاہر ہے کہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے ملاحظہ ہو عقائد علماء دیوبند بجواب سوال نمبر ۱۱ "وأما الاستفادة من روحانية المشائخ الاجلة ووصول الفيض الباطنية من صدورهم أو قبورهم صحيح على الطريقة المعروفة في اهلها وخواصها لا بما شائع في العوام"

ترجمہ: "بہر حال مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیض باطنی کا پہنچنا ان کے سینوں سے یا ان کی قبروں سے صحیح ہے اس مشہور و معروف طریقے سے جو ان اولیاء و صوفیہ میں مروّج ہے اور خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے وہ طریقہ نہیں جو عوام میں مروّج ہے"

روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض ـــــ اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کا طالب ہے تو صلائے عام ہے طلب اور خلوص لے کر آجائے اور ممکن اور محال میں تمیز کر لے ورنہ صرف باتوں سے وہ حاصل نہیں ہوتا جو عملی طور پر کرنے سے حاصل ہوتا ہے"

سمندِ وہم در صحرائے او لنگ — لباس فہم بر بالائے او تنگ
فرو ماند لب از کم وز فزونی — نہ چندی گنجد آنجا و نہ چونی

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے ارشادات سے واضح ہے کہ سلسلہ اویسیہ میں روح سے اخذ فیض ہوتا ہے اور اس کے لیے اتصال ظاہری شرط نہیں ہاں اتصال نسبت ضرور ہوتا ہے یہی نسبت اویسیہ ہوتی ہے۔

ہمارا سلسلہ یوں ہے

(۱) الٰہی بحرمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(۲) الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳) الٰہی بحرمت حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ
(۴) الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ
(۵) الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
(۶) الٰہی بحرمت حضرت عبید اللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ
(۷) الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ
(۸) الٰہی بحرمت حضرت ابوایوب محمد صالح رحمتہ اللہ علیہ
(۹) الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۰) الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحیم رحمتہ اللہ علیہ
(۱۱) الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمۂ من وخاتمۂ مولانا اللہ یار خان بخیر گرداں

نوٹ :- کوئی مصیبت کوئی حادثہ کوئی مشکل پیش آجائے تو سحری کے وقت معمول کے بعد سلسلہ خواجگانؒ ۱۱ تک پڑھ کر بحضورِ قلب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، ان شاءاللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری ہوگی، اگر عام طور پر پڑھے تو گیارہویں سطر ساتھ ملا لے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاتمہ بالایمان کرے گا۔

ملک محمد اکرم

اسرار التنزیل

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

الٓمٓ ۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ۝

قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہے جو اپنی مخلوق سے اللہ کریم کا ایسا خطاب ہے جس کے بعد قیامت تک کوئی وحی الٰہی کسی نئے پیغام کو لے کر نازل نہ ہو گی کہ اس کے بعد کسی نئی کتاب کا انتظار کیا جا سکے ۔ اور اس کا کمال یہ بھی ہے کہ جس قدر لطائف و احسانات اس سے پہلے نازل ہونے والی کتب میں تھے ان سب کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے تو اس طرح اللہ کا یہ کلام سارے عالم کے لئے خدا سے ربط کا واحد ذریعہ ہے اور حصولِ رحمت کا سبب اس کو جو بھی پڑھنا چاہیں تو سب سے پہلی آیت جو سورۃ فاتحہ کے کو ختم کرتے ہی شروع ہوتی ہے وہ یہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے سورہ فاتحہ دراصل بات کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے کہ تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو ساری کائنات کا رب اور ساری خدائی کو حُسن جمال عطا کرنے والا ہے اور جس کے پاس سب نے حاضر ہو کر جواب دینا ہے اور پھر اس سے توفیقِ ہدایت اور گمراہی سے پناہ طلب کرتا ہے تو اس طرح گویا ایک اجمالی نقشہ بارگاہ الٰہی کی عظمت اور اپنی احتیاج کا انسان کی نگاہ میں پھر جاتا ہے اب گویا اس تعارفی تقریب کے بعد وہ بارگاہِ الٰہی میں داخل ہو رہا ہے تو سب سے پہلے جس خطابِ الٰہی سے اسے نوازا جا رہا ہے وہ ہے الٓمٓ ذالک الکتاب لاریب فیہ ۔ سورہ فاتحہ بھی ہے تو کلام الٰہی مگر وہ بندے کی زبان سے عظمتِ باری اور اپنی احتیاج کا اقرار ہے مگر اس آیت سے تو اللہ کی طرف سے بندے کو خطاب ہے کہ اس کتاب سے اخذِ فیوض و برکات کے لئے پہلے اس پر مکمل اعتماد کرو اور یہ یقین کر لو کہ یہ کلامِ باری ہے اور سراسر حقیقت اب اس میں پرکھنے کی کئی باتیں ہیں مثلاً یہ کس ہستی کا پیغام ہے اور پھر اس کو لانے والی ہستی کون ہے ان تک پہنچانے والی ہستی کون سی ہے ان تک پہنچانے والی ہستی کیسی ہے کیا اس کی یہ سب کڑیاں واقعی قابلِ قدر اور لائقِ اعتبار ہیں ۔ پھر جس نے یہ پیغام بھیجا ہے کیا وہ کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتا کوئی ایسی بات ہے جس میں اسے ہماری مدد یا کسی طرح کی حمایت کی ضرورت ہو ؟ یا پھر کیا ہماری سطح کی کوئی ہستی ہے جو برابر کی سطح پر تعلقات خوشگوار

رکھنا چاہتا کہ دنیا میں یہ دو ہی تو معروف اغراض ہیں مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ جس کا پیغام ہے وہ خالق اور ہم مخلوق ہیں وہ رازق اور ہم مرزوق ہیں۔ وہ معطی ہے منعم ہے اور ہم ہر لحہ اس کے انعام کے محتاج ہمارا حسن وجمال ہو زور جوانی قدر وقامت ہو یا علم وہنر ہر شئے اسی کی بخشی ہوئی صورت وشکل سے لے کر قضا وقدر تک سب فیصلے اسی کے ہیں ہمارے ہر سانس کے ساتھ اس کی بے شمار نعمتیں اور ان سب میں بہت بڑی نعمت شعور وآگہی کی قوت واستعداد ہے کہ اس کارگہ حیات کا ہر ذرہ ہے تو اسی کا مطیع مگر ہر شئے اس کے حکم کو مانتی اور اس کے حکم کی اطاعت کرتی ہے حالانکہ تخلیق کائنات کا مقصد تو کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ہے اور اس کی معرفت کو حاصل تو وہ کرے جو اس کے جمال کی تاب رکھتا ہو بجز انسان کے کسی کو اس قدر عطا نہیں فرمائی گئی یوں تو بڑے بڑے پہاڑ بھی اپنی بہار لئے درختوں اور پھولوں تک سے لدے کھڑے ہیں چشمے اور ندیاں جن کی رونق اور ہریالی کو دن رات بڑھا رہی ہیں اور قد کاٹھ بھی برقرار رکھتے ہیں مگر خطاب الٰہی کے ساتھ جو تجلیات متکلمہ ہیں ان کے سہارے کی تاب نہیں رکھتے فرمایا: لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ الخ کہ اگر اللہ کسی پہاڑ کو مخاطب فرماتے تو تجلیات باری اسے ریزہ ریزہ کر دیتے اس میں ان کے برداشت کی قوت ہی نہ تھی مگر انسان کو اس خطاب کا سزاوار بنایا اور جو بوجھ ارض وسما نہ اٹھا سکے فابین ان یحملنھا وحملھا الانسان وہ انسان نے اٹھا لیا۔ اللہ نے اسے وہ طاقت اور شعور عطا فرمایا کہ یہ براہ راست جمال باری اور کلام الٰہی کا سزاوار ٹھہرا۔ اسی لئے ہر شئے تو حکم کی اطاعت کرتی ہے سورج طلوع غروب کے لئے پابند ہے چاند اپنی حرکت مکمل کرنے پر مجبور ہواؤں کو چلنے کی تو بادلوں کو برسنے کی مجبوری ہے زمین مجبور ہے کہ کھیتیاں پیدا کرے یہ سب حکم کو جانتے اور مانتے کہا مگر انسان حاکم کی معرفت کا شعور رکھتا ہے یہ صرف حکم کا پابند یا مجبور محض ہو کر نہیں جھکتا بلکہ پہلے معرفت باری حاصل کرتا ہے اور پھر اس کا دل کہتا ہے کہ واقعی یہ ہستی ہے ہی ایسی کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے پیشانی رکھی جائے تو پھر جانتے ہو کیوں اس کی بارگاہ اس کے سجدوں سے خالی ہے مسجدیں ویران اور سینما گھر آباد ہیں بازاروں میں رونق اڈوں پہ گہما گہمی اور مسجدیں سنسان ہیں اس لئے کہ اس کی عبادت کی بنیاد تو معرفت تھی خدا سے تعلقات اور اس کی عظمت سے آگہی تھی وہ اسے حاصل نہ ہوئی نتیجۃً دوسری طرف چلا گیا باقی امور میں تو یہ بھی محتاج ہے پیدا ہونے سے مرنے تک بچپن ہو یا جوانی صحت ہو یا بیماری حتیٰ کہ سانس بھی اس کے حکم سے لیتا ہے مگر عبادت کرنے پر حکماً مجبور نہیں کہ اسے جرأت معرفت بخشی ہے تو اب اس کا کام ہے کہ اس کی معرفت حاصل کرے جو اسے خود بخود جھکنے پر مجبور کر دے گی مگر یہاں ایک چھوٹی سی آزمائش ڈال دی گئی ہے کہ اللہ کریم نے اپنے یا اپنی معرفت کے مقابلے میں ایک بہت ہی معمولی سا پردہ ڈال دیا ہے کہ ایک طرف تو ذات باری ہے

اور دوسری طرف روٹی کے چند لقمے چند گز کپڑا اور سر چھپانے کی جگہ ہے وہ جو کسی نے کہا ہے

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یوں کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

تو اس شاعر کے محبوب نے تو پھر شمع تو رکھی مگر یہاں تو بات ہی عجیب ہے کہ دنیا تو آخرت کے مقابلہ میں بھی قلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو کبھی نہ دیتا پھر اس حقیر سے بھی ہر ایک کو اتنا قلیل حصہ ملتا ہے جس کا اگر حصہ نکالنا پڑے تو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ ساری دنیا میں اوّل سے آخر تک کتنی دولت ہے اور اس کا کیا حصہ ایک فرد کے پاس ہے اب یہ شئے ہم کو اللہ سے اور اس کی بارگاہ کی حاضری سے روکے ہوئے ہے کسی گنوار کے سامنے اگر جواہرات کا ڈھیر اور دوسری طرف ماچس کی ایک ڈبیا ہی رکھ دو کہ ایک شئے لے لو تو وہ ڈبیا لے گا کہ اس سے کم از کم چولہا تو جلالوں گا پتھروں کا کیا انہیں لے کر کیا حاصل اب اپنی دانست میں تو اس نے اپنا فائدہ سوچا مگر بات اصل یہ ہے کہ اسے ہیروں کی قدر کا اندازہ ہی نہیں وہ ماچس سے تو واقف ہے جواہرات کو نہیں پہچانتا۔ میں کہتا ہوں ماچس کو ہیروں سے کچھ نسبت تو ہے دنیا کو اللہ سے کیا نسبت مگر ہائے ری ہماری بد نصیبی کہ ہم عظمت باری کو پا نہ سکے اور چند لقموں کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے ہیں اے کاش ہم پلٹ کر دیکھ لیتے اور یہ بات پڑھ لیتے کہ

اے زندگی بھر سراب کے پیچھے بھاگنے والے آ ادھر آ جہاں حقائق تیرے منتظر ہیں اور جہاں لاریب فیہ کا مژدہ جانفزا ہے مگر کیسے آئے اور اتنی جرأت کہاں سے پائے کہ اللہ کی ذات وراء الوراء ہے

اے اوّل تو در لائے اوّل
حیران نہ تو انبیاء و مرسل

بندہ اتنی ہمت کہاں تلاش کرے کہ اللہ کا طالب بن بیٹھے تو یہاں بھی اس کی رحمت نے ہمیں مایوس نہیں ہونے دیا وہ جسے کسی سے غرض نہیں وہ جس کا کوئی ہمسر نہیں وہ عاجز و بے بس مخلوق پر اس قدر مہربان ہے کہ بنی نوع انسان میں سے ہی اسی کے ہم جنس اپنے بندے ایسے چن لئے ہیں جنہیں وہبی طور پر شرف ہم کلامی کی استعداد بخشی ہے جو خزانۂ غیب سے ہی معرفت لے کر آئے ہیں اور مخلوق کے لئے حصولِ معرفت کا سبب و ذریعہ ہیں یہ ہیں انبیاء کرام اور سب سے افضل سب سے اعلیٰ سرورِ کائنات امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ساری خدائی کے لئے حصولِ معرفت کا روشن مینار اور ظلمت کدہ عالم میں مینارہ نور تو جو کوئی آپ سے تعلق بڑھائے گا یا آپ کو پہچان لے گا یعنی آپ کی معرفت حاصل کرے گا وہ جان سکے گا یہ عظیم ہستی جس کو پیغام کو لانے والی ہے وہ پیغام کتنا عظیم الشان ہوگا اور پھر وہ ذات جس کا یہ پیغام ہے۔ اللہ اللہ اس کی عظمت لامحدود ہے ذرا عظمت رسول کا ہی کوئی پہلو لے لیں آؤ اور آج سے چودہ سو سال پہلے کا مکہ مکرمہ دیکھو چشم تصور کو ذرا دوڑا لے جاؤ دیکھو تو ان میں بے چینی کیسی ہے یہ کتنے بڑے بڑے لوگ

کیوں پریشان ہیں یہ خودسر قوم اور بنو کے خنجر بات کرنے والے کس ہستی سے ہراساں ہیں انہیں ایک بظاہر تہی دست اور اکیلے انسان نے چیلنج کر دیا ہے کہ امان چاہتے ہو اگر سکون و آرام چاہتے ہو تو آؤ میرے دامانِ رحمت میں بہت جگہ ہے ورنہ آج کے بعد اس کے باہر رہنے والا ہمیشہ کے لئے بے قراری کا شکار ہوگا اور دیکھو کہ پوری دنیا اور سارے ابنائے زمانہ کے سامنے ایک اور صرف ایک ہستی اعلانِ لا الٰہ کر رہی ہے دیکھ لے چشمِ تصور دیکھ شرق و غرب میں بے شمار مصنوعی خداؤں کو ایک ٹھوکر میں اُڑایا جا رہا ہے اور ایک وقت ایسا بھی ہے کہ پوری دنیا کے سامنے صرف ایک بندۂ خدا سینہ سپر ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر آپ کا ارشاد کوئی معمولی بات نہیں اس نے بڑے بڑے سورماؤں کے پیروں تلے سے زمین نکال دی ہے یہ جو لوگ تجھے پریشان نظر آتے ہیں اس نعرۂ حق کو روکنے کی ہر ممکن سعی کر چکے ہیں مگر کچھ بگاڑ نہیں سکے یہ جتنا زور لگاتے ہیں اس کا اثر الٹا ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی پروانہ اس شمع کو دیکھ ہی لیتا ہے اور کھنچا چلا آتا ہے مگر یہ آج کی پریشانی عجیب ہے ایک طرف بھاگ رہے ہیں چلو چل کر دیکھتے ہیں بات کیا ہے یہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں اچھا یہ دار الندوہ ہے دورِ حاضرہ کے اسمبلی ہال کی طرح یہاں رؤسائے مکہ باہمی مشاورت کے لئے جمع ہوتے ہیں تو آج کا موضوع بحث بڑا اہم ہے کہ اب ترجیح کا موسم آ رہا ہے اور سارا عرب مکہ میں جمع ہوگا تو اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ جس بات کو ہم دبانا چاہتے ہیں اسے سارا عرب سُن لے گا سو سب مل کر کوئی ایک بات طے کر لیں جو ہر آنے والے سے کی جا سکے یہ نہ ہو کہ ہمارا ایک آدمی کچھ کہے اور دوسرا کچھ اور نتیجتہً لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں کہ اصل صورتِ حال کیا ہے سو ایک بات طے ہونی چاہیئے اب دیکھو ایک ایک شخص اپنی رائے پیش کرتا ہے کوئی کہتا ہے کہ لوگوں کے آنے سے قبل قتل کر دو قصہ ختم مگر ولید اس کی رائے ٹھکرا دیتا ہے غالباً آج کا میرِ مجلس یہی ہے کہہ رہا ہے نادانو اس موقع پر اور مکہ میں قتل و غارت یہ مناسب نہیں اس طرح تو بنو ہاشم کھڑے ہو جائیں گے اور لڑائی برپا ہو گی کوئی اور حل سوچو وہ دیکھو کسی نے تجویز پیش کی کہ کسی مکان میں بند کر دو لو دیکھو ولید کا چہرہ پہلے سے بھی بگڑ گیا ذرا سنو تو کیا کہتا ہے کہہ رہا ہے کہ اگر تم بند کر دو گے تو اس کے جاں نثار کیا چپکے بیٹھے رہیں گے یا تو وہ دیواریں پھاڑ کر نکال لے جائیں گے ورنہ تمہیں یہ سب دیوانے قتل کر رہے ہوں گے جو فی الحال کسی طور ممکن نہیں بس کوئی بات ان کے ذمہ لگا دو جو ہر آنے والے سے کہی جائے تو کسی نے کہہ دیا کہ ہم کہیں گے یہ غلط کہتا ہے معاذ اللہ بھئی اس بات پر تو ولید بھی کھول اٹھتا ہے ارے بے وقوف لوگ کیا پاگل ہیں وہ یہ نہ سوچیں گے کہ جو شخص چالیس سال سے اس شہر میں بستا ہے اور بچپن سے آج تک کسی انسان پر بھی جھوٹ نہیں بولا وہ ایک دم ذاتِ باری پہ جھوٹ بولنے لگ گیا یہ بالکل غلط ہے سبحان اللہ

اس ہستی کو صادق اور امین کا لقب انہیں لوگوں نے دیا تھا۔ اب کیسے انکار کر سکتے تو صداقت و امانت ایسی کہ بدترین دشمن رحمتِ عالم پر پتھر برسانے والے راہ میں کانٹے بچھانے والے بھی سچا کہنے پر مجبور ہیں۔ اور شان ایسی کہ مخلوق میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتے اللہ نے ایک ہی ہستی پیدا کی ہے کوئی آپ کے مقابلے کا پیدا ہی نہیں کیا اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہیں۔ ایک اور شہادت دیکھتے چلو کہ ایک ابی ابن خلف نے بڑی گستاخی سے کہا میں نے گھوڑا پال رکھا ہے اسے خوب موٹا کر رہا ہوں اس پر سوار ہو کر آپ سے لڑوں گا حضورؐ نے فرمایا انشاء اللہ میں تجھے قتل کروں گا۔ او کما قالؐ۔ تو کئی سال بعد غزوہ احد میں وہ اس گھوڑے پہ سوار آپ کی طرف بڑھا سر تا پا لوہے میں غرق ہتھیار سجائے حضورؐ کی طرف لپکا جاں نثاروں نے نیزے تانے تو سنو اور دیکھ لے چشم تصور دیکھ اللہ کا رسول کیا فرماتا ہے فرمایا ہٹ جاؤ اور نیزہ مجھے دے دو کہ میرا اس سے وعدہ ہے بس یہ ایک ہی بدنصیب ہے جو ساری جنگوں میں خاص حضورؐ کے دستِ مبارک سے واصل جہنم ہوا یہ سب سے زیادہ عذاب کا مستحق قرار پائے گا تو آپؐ نے اس کی طرف نیزہ پھینکا جو گردن پہ لگا مگر خود کی کڑیوں سے پھسلتا ہوا نکل گیا اور ایک خراش بناتا ہوا چلا گیا مگر یہ کیا وہ تو بھاگ رہا ہے اور چلا چلا کر پکار رہا ہے اور دہائی دے رہا ہے وہ دیکھو کئی لوگ بڑھے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جب دیکھا تو کہتے ہیں زخم تو ہے نہیں خواہ مخواہ چیخ رہے ہو تو سنو وہ کہتا ہے ورد مجھے ہے تم کیا جانو مجھے خوب خبر ہے کہ زندہ مکہ نہ پہنچ سکوں گا ماہ رہے جوان بھلا وہ کیسے زخم تو کوئی ہے نہیں تو کہتا ہے اس شخص نے مجھے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا اگر مجھ پہ تھوک بھی دیتا تو میں قتل ہو جاتا کہ اس کے لب مبارک سے نکلی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہوتی اور تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اثنائے سفر میں مکہ پہنچنے سے پہلے جہنم پہنچ گیا۔ یہ تو بدترین دشمنوں کی شہادتیں تھیں اگر مومنین سے سنو تو ان کے دل کی ہر دھڑکن آپؐ کی شہادت پہ گواہ ہے اور پھر جس کلام الٰہی کو تو پڑھتے جا رہا ہے یہ آپؐ کی ہی اداؤں کی تعریف کرتا ہے ارے وہ ہستی جس کی ہر ادا عبادت ہے اور جس کا ہر لفظ یا قرآن ہے اور یا حدیث جو فخرِ انسانیت ہے جس نے صدیوں کی سسکتی ہوئی انسانیت کو طرح طرح کے باطل معبودوں کے ظالم ہاتھوں سے چھڑا کر براہِ راست اللہ کریم سے ہمکلام کر دیا ہے اسی نماز کو دیکھیں جو آج ہم پہ بار ہے کتنی عظیم بات ہے کہ اس کا فرض ہونا درست اور رکن دین ہونا صحیح اس کا ثواب اپنی جگہ مگر ایک اور بات بھی ہے کہ ہر کہ و مہ امیر و غریب فاضل و جاہل براہِ راست اللہ سے مخاطب ہے اور اس کی عظمت کا اقرار اور اپنے محتاج ہونے کا اظہار کر رہا ہے۔

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

اور پھر لطف یہ کہ دن میں پانچ اوقات میں تو اپنی زبانی اپنا درد دل کہنا تو فرض اگر نہ کہو گے تو اللہ ناراض اور اگر سارا دن بیٹھے رہو تو تمہاری پسند سبحان اللہ جن کی بات

کوئی بھی سننا گوارا نہ کرے بیاں وہ بھی بار یاب ۔ اور شاہ و گدا سب اپنی اپنی معروضات پیش کر رہے ہیں کتنا کریم ہے اللہ اپنے بندوں پہ مگر یہاں تک تب ہی پہنچے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانے گا ارے جن کی تخلیق پہ خود خالق کو ناز ہے اور جسے اپنی تخلیق کا شاہکار قرار دے کر جس کے جملہ محاسن کی جا بجا کتاب اللہ میں تعریف سجائی ہے ایک بار کسی نے محبوبۂ محبوب کبریا ام المومنین عائشہ الصدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے دامن کو جمالِ نبوی سے بھرنے والی مقدس خاتون ذرا آپ کی باتیں ہمیں بھی فرمائیے اور آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو بیان کر کے دل کی تسکین کا سبب بہم فرمائیے تو فرمایا کان خلقه القرآن بھئی میں کیا کہوں خود اللہ کریم سے سن لو اور واقعی اللہ فرماتا ہے کہ میں گواہی کو کافی ہوں وکفیٰ باللہ شہیدا جس ہستی کو محمد رسول اللہ خدا مانتے ہیں اور جس کی آپ عبادت کرتے ہیں وہ واقعی لاشریک بھی ہے اور اس کی شان ایسی ہے کہ واقعی اس کی عبادت کی جائے وہ مستحق عبادت ہے ، مگر کیا جو واسطہ اللہ سے کلام الٰہی کو بیت العزہ سے آپ تک پہنچاتا ہے وہ بھی عظیم ہے ہاں بے شک تمام فرشتوں میں وہ سردار فرشتہ ہے بھئی دیکھو تو فرمایا انہٗ لقول رسولِ کریم یہ ایک معزز قاصد کا پہنچایا ہوا پیغام ہے بعض بدنصیبوں نے یہ اعتراض بھی کئے کہ مرادِ باری تو ہے مگر الفاظ ممکن ہے فرشتے کے ہوں تو بھائی اگر ایسی بات ہوتی تو ترجمان کہا جاتا رسول اور پیغام بر تو وہ ہوتا ہے جو اصل بات کو پہنچائے اپنی زبان یا اپنے الفاظ میں مفہوم پہنچانے والا تو ترجمان کہلاتا ہے سو رسول بھی کیسا بہت معزز عند ذی العرش مکین ۔ اللہ کے نزدیک بڑے رتبے والا تمام فرشتوں کا امیر اور مطاع اور بہت ہی امانت دار کہ جس کی امانت پہ خدا گواہ ہے اور جو اس شان سے آتا ہے کہ ہر طرف فرشتوں کے پرے ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہو جس وحدہٗ لاشریک ہستی کا پیغام ہے ذرا سوچو تو وہ پیغام کتنی عظمت کا مستحق ہے تو یہ بات بھی بڑی تسلی بخش ہوئی کہ فرشتہ بھی ذی قوت بھی ہے کہ بھولتا نہیں معزز معتبر بھی ہے اور امین بھی پھر اللہ کا رسول بھی امام الاولین والآخرین یہاں تک تو بات صاف ہو گئی کہ لاریب فیہ مگر ابھی کہاں ابھی ایک کڑی اور باقی ہے کہ ساری دنیا نے براہِ راست رسول اللہ سے اس بات کو نہیں سنا سب نے آپ کو عبادت کرتے نہیں دیکھا سب نے آپ کے جمال جہاں آراء کا نظارہ نہیں کیا اور نہ سب نے معجزات نبوی دیکھے ہیں تو بھئی ہم تک کلام کیسے پہنچا ۔ یہ بطور توارث ہے ہم نے اپنے بزرگوں سے انہوں نے اپنے بزرگوں سے علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ سند چلتا ہوا ایک ایسی جماعت سے جا ملتا ہے جنہوں نے خود رسول اللہ سے سنا اور وہ مقدس جماعت ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحابیت کیا ہے یہ قرب الٰہی کا ایک عظیم درجہ ہے جس کی شرط حصول صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے صحبت رسول ۔ عقیدہ درست ہو ، اکل حلال ہو صدق مقال ہو ذکر دوام ہو فرائض تو کجا نوافل تک کا پابند ہو

پھر بھی ولایت کو پائے گا اور اگر سارا جہان اولیائے بھر جائے کسی بھی صحابی کی خاکِ پا کو نہیں پہنچ سکتے۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

اب رسول اللہ اور اُمت کے درمیان صرف یہی لوگ واسطہ ہیں تو لامحالہ انہیں بھی معزز و معتبر اور صادق القول تسلیم کرنا ہوگا ورنہ پھر لاریب فیہ سلامت نہ رہے گا۔ تو آؤ دیکھو تو سہی کیا ان مقدس ہستیوں پر کسی نے اعتماد کیا بھی تو کیوں نہ خود خداوندِ عالم ہی سے پوچھ لیں۔ تو فرمایا السابقون الاولون من المہاجرین والانصار۔ والذین اتبعوھم باحسان سبحان اللہ تم اعتبار کی پوچھتے ہو ارے تم چھوڑ رہنے دو تم وہ کرو جو وہ کرتے ہیں اور صدقِ دل اور خلوصِ قلب سے کرو محض ضابطے کی کارروائی نہ ہو اب تم نے ان کی اطاعت کر لی تو تم نے رضائے الٰہی کو پا لیا سبحان اللہ کتنا اعتماد ہے اللہ کریم کو اور کیوں نہ ہو خود ان کا خالق ہے اور ان کو محاسن عطا کرنے والا اور کمالات بخشنے والا ہے اب یہ اس کی پسند ہے تمہیں تو اس کی رضا سے مطلب سو اگر اس کی رضا چاہتے ہو تو جو وہ کرتے ہیں کرتے جاؤ اب یہ اللہ کریم کی اپنی پسند ہے جس کی جو ادا مقبول ہو جائے خلیل اللہ تو اللہ کے رسول اور نبی تھے ہی اماں ہاجرہ تو صحابیہ تھیں یہ فیضِ صحبت عجیب شئے ہے رشتۂ زوجیت بھی ہے مگر فیضِ صحبت چیزے دیگر ہے ورنہ رشتۂ زوجیت تو لوط علیہ السلام کی بیوی کا بھی تھا مگر دل ان کی مجلس میں نہ اٹکا تھا یہاں یہ حال کہ حضرت ابراہیم تو لیکر جبرائیل کے ہمراہ چل نکلے اور قطعِ مسافت فرماتے ہوئے دور دراز کے ویرانے میں جہاں سیاہ پہاڑوں کی چوٹیاں بادلوں سے جھانکتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور اس دور میں کوئی چیز نہ اگتی تھی اور کوئی پرندہ تک اطراف میں نظر نہ آتا تھا حتیٰ کہ فرمایا بوادٍ غیر ذی ذرعٍ ـــ ایسی جگہ جہاں گھاس بھی نہیں اُگتی اس جہاں سے الگ تھلگ ویرانے میں جب بی بی صاحبہ کو ایک ننھی مُنی سی جان سمیت ایک ایسے مہ پارے سمیت جس کی پیشانی سے انوارِ نبوت چمکتے تھے ایک چھوٹا سا مشکیزہ پانی کا اور کچھ کھجوریں دے کر خلیل اللہ نے سوار ہونا چاہا تو بیتابانہ پوچھا اے اللہ کے نبی یہ کیا اور ہم کس کے بھروسے واقعی حقِ اطاعت ادا کر دیا کہ گھر سے چل کر اس ضعفِ پیری میں لختِ جگر سمیت صحراؤں کے سینے پھیر ڈالے اور یہ تک نہ پوچھا کہ کہاں لئے چلتے ہیں سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔ مگر جدائی تو شاق گزرنی ہی تھی پوچھ لیا تو جواب ملا کہ اللہ کے بھروسے چھوڑتا ہوں سبحان اللہ فرمایا اگر ایسی بات ہے تو بے شک تشریف لے جائیے وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی،

اور پھر جب بچے کی پیاس نہ دیکھی گئی تو بیتابانہ صفا و مروہ پہ چڑھیں اتریں یہ بھاگ دوڑ اللہ کو ایسی پسند آئی کہ قیامت تک ان پہاڑوں پہ لوگ بھاگ رہے ہیں

ضروری گذارش

ماہنامہ "المرشد" کا چندہ بھیجتے وقت

اپنا خریداری نمبر

اور

منی آرڈر کوپن یا بینک ڈرافٹ کی پشت پر اپنا

نام اور پتہ

ضرور اور صاف صاف لکھیئے ورنہ تعمیلِ حکم میں

دیر لگے گی

ادارہ

اور اسی طرح اگر دلِ مضطر حاصل ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس دور میں دل سے نور کے زمزم نہ بہہ نکلیں تو یہ ایک عمل تھا خلیل اللہ کی صحابیہ کا یہاں محمد رسول اللہ کے صحابہ ہیں انکی جاں نثاری کی سند یہ ہے کہ جو یہ کرتے ہیں کرو یہ عشق کے قیدی ہیں مرضی محبوب کے خلاف نہیں چل سکتے نبی ہیں نہ معصوم مگر محفوظ ایسے کہ غیر مشروط اتباع کرو ان کا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی بے نصیب کہے کہ صحابہ نے غلطی کی تو تم وہ غلطی ہی عمر بھر کرتے رہو میاں حبیب اللہ کو پسند ہے تو وہ عبادت ہے اب دیکھو جب کفار نے دیکھا کہ فرشتے پہ بہتان ذرا مشکل ہے پھر رسول کی ذات پہ بھی مغالطہ دینا بہت مشکل تو انہوں نے صحابہ کرام کی ذوات کو اپنے طعن کا نشانہ بنایا میں کہتا ہوں یہ بھی عظمت صحابہ کی دلیل ہے کہ قیامت تک دینِ حنیف کے پاسبان وہی ہیں اگر ان کی ذات مجروح ہوتی ہے تو دین بھی نہیں بچتا میاں یہ دین کی عمارت گارے پتھر کی نہیں یہ صحابہ کے خون سے گوندھا گیا ہے اور یہ باہر کا حصار ہے ہر حملے کے لئے رکاوٹ یہی حصار ہوا کرتا ہے باہر سے آنے والا ہر گولہ اسی سے ٹکرا ٹکرا کر بکھر رہا ہے اور اور انشاء اللہ بکھرتا رہے گا کہ یہ حصار اللہ کا قائم کیا ہوا ہے اور وہ اسے قائم رکھے ہوئے ہے ہمارے لئے تو اس کی چوکیداری جس کے ہم اہل نہیں جنت کی ضمانت اور نجات کا سامان ہے۔ ذرا ان کی شان رسول اللہ سے تو پوچھئے فرماتے ہیں یہ فلک ہدایت کے ستارے ہیں اصحابی کالنجوم تم جس کا دامن تھام لوگے ہدایت پا جاؤ گے میرے بھائی تیرا میرا اولیاء اللہ ہو یا علماء محدث ہوں کہ مفسر سب کا امتحان روزِ محشر پہ ہے مگر ان کا ہو چکا اور نتیجہ آچکا اُولٰٓئِکَ الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی اور فرمایا کانوا احق بھا و اھلھا کہ میرے بھائی یہاں لوگ بڑا عنچہ دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر یاد رکھو عظمتِ صحابہ اصولِ دین میں سے ہے اس کا انکار عظمتِ رسول کو مستلزم ہے اور لاریب فیہ کے منافی۔ ؎ یہ خوشبوئیں کرن ہیں چاندنی ہیں

کسی کو اعتبار آئے نہ آئے

تو آؤ سب مل کر دعا کریں اللہ کریم مسلمانوں کے اس ملک کو قائم و دائم رکھیں اور اس میں سنتِ رسول کو اور اتباعِ صحابہ کو زندہ فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

حافظ عبدالرزاق

چراغِ مصطفوی

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائے۔

تشریح:۔ ایمان دراصل نام ہے دل کے یقین اور تصدیق قلبی کا۔ اور اس کا اظہار ہوتا ہے زبان سے۔ گویا ایمان کے دو پہلو ہوئے۔ ایک پہلو دل کا یقین ہے جس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کوئی انسان کسی کے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتا کہ اس میں یقین پایا جا سکتا ہے یا اس وصف سے خالی ہے لہٰذا اس کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں دوسرا پہلو زبان سے اقرار کرنا ہے۔ اس کا تعلق مخلوق سے ہے یعنی جب ایک آدمی زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے تو وہ مخلوق اور قانون کی نگاہ میں مومن شمار ہوتا ہے۔ یہ اقرار گویا ایمان کی بسم اللہ ہے۔ اس کی تکمیل جب ہوتی ہے جب اس کی عملی زندگی سے اس امر کی شہادت ملے کہ جو کچھ اس نے زبان سے دعویٰ کیا ہے اس کا عمل اس کی شہادت دیتا ہے۔ اگر عملی زندگی میں اس کے اقرار زبانی کے آثار نظر نہیں آتے تو اس کی حیثیت کچھ اس طرح ہوگی جیسے دعویٰ بلا دلیل کی ہوتی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوا کہ ایمان کی تکمیل کی علامت یہ ہے کہ انسان کی عملی زندگی اس کے ایمان کے دعویٰ کی شہادت دے۔ اگر یہ شہادت عنداللہ مقبول ہوئی تو وہ حقیقی مومن ہوگا۔ اس حقیقت کو اکبر الہ آبادی نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

مسلماں ہے وہی جو ہے مسلماں علم باری میں
وگرنہ یوں کروڑوں درج ہیں مردم شماری میں

اس حدیث میں کامل ایمان کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ بندہ کی خواہشات تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہو جائیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ خواہشات کا ایمان سے تعلق کیونکر قائم ہوتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت اور روزمرہ کا تجربہ ہے کہ

انسان کے دل میں ہر وقت خواہشات پیدا ہوتی رہتی ہیں اور ان خواہشات کے پورا کرنے کے لئے نہ صرف انسان کا دل بیقرار رہتا ہے بلکہ عملاً اس کی ساری جدوجہد ہی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے جبھی تو کہا گیا ہے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ماہرین نفسیات اور فلاسفر نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ "انسان کے تمام افعال کا محرک صرف خواہش ہے (میکنزی) جان سٹوارٹ مل اور بینتھم کہتے ہیں کہ "افعال انسانی کا اصل محرک "حصول لذت" ہے: بات وہی ہے صرف کہنے کا انداز مختلف ہے۔ بلکہ مل (حصہ نہم) نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ :-

"زندگی کا مقصد بڑی سے بڑی مقدار کی بڑی
سے بڑی مسرت کا حصول ہے"

جس کا حاصل یہ ہے کہ زندگی کی تعمیر کی بنیاد ہی خواہشات ہیں اب یہ کہنا تو خارج از امکان ہے کہ ہر شخص کے دل میں ایک ہی قسم کی خواہشات پیدا ہوتی ہیں بلکہ تجربہ یہ ہے کہ بعض خواہشات کو اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بعض کو برا خیال کیا جاتا ہے۔ گویا ہر انسان کے دل میں ہر وقت خیر و شر کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے۔ اچھے یا برے انسان کی تقسیم اس فیصلہ کی بنا پر ہوتی ہے جو وہ اس کشمکش کے نتیجے کے طور پر کرتا ہے۔

مسلمان علمائے اخلاق اس کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو ہمیشہ اسے خیر کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو ملہم کہتے ہیں اور اس کی دعوت کو الہام کہتے ہیں اس کے مقابلے میں شیطان کو بھی مسلط کر رکھا ہے جو اسے برائی کی دعوت دیتا ہے اسے وسواس کہتے ہیں اور اس کی دعوت کو "وسوسہ" کہتے ہیں۔ اس طرح جو اچھا یا برا خیال دل میں پیدا ہوا سے خاطر کہتے ہیں۔ یہ خواطر ہی انسانی ارادہ کے محرک ہوتے ہیں جس کے مدارج ہیں یعنی خواطر سے رغبت متحرک ہوتی ہے رغبت سے عزم اور نیت متحرک ہوتی ہے اور یہ نیت اعضاء کو حرکت دیتی ہے۔

یہ نیت یا عزم اعضاء کو اس وقت حرکت دیتی ہے جب انسان یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنا ہی ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے کہ فیصلہ کس بنا پر کرے۔ اس کے پاس کونسا معیار ہے جس کے سامنے رکھ کر وہ اپنے لئے سرچ کے فرائض ادا کرتے ہوئے صحیح فیصلہ کر سکے۔ اور یہ فیصلہ اتنا اہم ہے کہ صرف اس کی بنا پر اس کی زندگی کا نقشہ تیار ہوتا ہے۔

یہاں پہنچ کر جب اس حدیث پر غور کیا جاتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین کی شان ظاہر ہوتی ہے یوں لگتا ہے جیسے رحمت عالم نہایت شفقت سے دستگیری فرماتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے خالق کے شاہکار! تو پریشان کیوں ہوتا ہے۔ آ میں تمہیں اس دلدل سے نکالتا ہوں۔ میں تمہیں فیصلہ کرنے کے لئے معیار دیتا ہوں، سلیقہ سکھاتا ہوں، ایک کسوٹی دیتا ہوں۔ تو اپنے ذہن نارسا پر

پر اتنا بوجھ کیوں ڈالتا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔ تو اپنی عقلِ بے مایہ پر بھروسہ کیوں کرتا ہے جو فیصلہ کے لئے صرف ان معلومات پر بھروسہ کرتی ہے جو حواسِ خمسہ اسے مہیا کرتے ہیں۔ تیرے لئے تیرے خالق کے ہاں سے جو حکیم مطلق ہے ایک نسخۂ کیمیا لایا ہوں۔ میرا لایا ہوا دین میری شریعت، میری تعلیمات وہ معیار ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ میں نے ۲۳ برس میں اسی معیار کو بروئے کار لا کر وہ معاشرہ تیار کیا جس کی نظیر چشمِ فلک نے نہیں دیکھی۔ اس لئے تجھے بس اتنا کرنا ہے کہ اپنی خواہش کو میری تعلیمات کے مطابق بنا دے تیرے ایمان میں کوئی کمی نہیں رہنے پائے گی۔

چشمِ تصور کے سامنے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کا بنتا ہے جیسے کوئی مسافر کسی گھنے جنگل میں جا رہا ہے جس میں جھاڑ جھنکار بھی ہیں اور دلکش مناظر بھی۔ وہ دونوں قسم کے حالات سے دوچار ہوتا ہے مگر اس کی نگاہ منزل پر ہے اور راستہ کا علم نہیں۔ دفعتہً کوئی شخص سامنے آتا ہے جس کی صورت سے دلسوزی اور خیر خواہی کے جذبات جھلک رہے ہیں۔ وہ بڑے پیار سے کہتا ہے۔ فکر کی ضرورت نہیں اطمینان سے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میں تمہیں منزل پر پہنچا دوں گا۔ تصور کیجئے کہ ایسے حالات سے اگر آپ دوچار ہوں اور کوئی ایسا ہادی میسر آجائے تو قلب کی کیفیت کیا ہوگی۔

مگر افسوس کہ آج ہم خواہشات کی تکمیل اور لذت کے حصول کے جنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں اور ہادیٔ برحق آواز پر آواز دیئے جا رہا ہے اور ہم سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بھی کسی محرومی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

ہماری بے دانشی اور بے تدبیری کا یہ عالم ہے کہ ہم اپنی معاشرتی زندگی میں مغرب کی بھونڈی نقالی، بے حیائی، عریانی، فحاشی، فیشن پرستی اور ہپی ازم پر لٹو ہوئے جا رہے ہیں اور اجتماعی زندگی میں ہماری نگاہیں کبھی سوشلزم کی طرف اٹھتی ہیں اور ہم نفاق سے کام لیتے ہوئے اس کے ساتھ اسلامی کا نقطہ بڑھا کر مطمئن ہوئے جا رہے ہیں کبھی ہمیں کیمونزم کا نظام پرکشش معلوم ہوتا ہے۔ غرض ہر حرکت سے ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے پیچھا چھڑانے کی سوچ رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے تمام دکھوں کا علاج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پابندی میں مضمر ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

پروفیسر عبدالشکور حافظ

اخلاص

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْن

مذہب کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسان کے دل کو مخاطب کرتا ہے۔ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات انسانی اعمال کے ہر گوشہ میں اس کی نگاہ اسی ایک آئینہ پر رہتی ہے۔ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

الا ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب

"ہوشیار ہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست رہتا ہے اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ ہوشیار رہو کہ وہ دل ہے"

دل ہی تحریک انسان کے ہر اچھے اور برے کام کی بنیاد اور اساس ہے۔ اس لئے مذہب کی ہر عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہوئی ہے۔ ارشاد نبویؐ:۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی۔

مفہوم اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے اس کا محرک کوئی دنیاوی غرض نہ ہو اور نہ اس سے مقصود ریا و نمائش، جلبِ منفعت، شہرت یا طلبِ معاوضہ وغیرہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی ہو اسی کا نام اخلاص ہے۔ یعنی ہر بھلائی محض اللہ کا تقرب اس کی رضا کے لئے اور اسکی اطاعت سمجھ کر کی جائے۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اخلاص یہ ہے کہ بندے کی حرکات و سکون خالص خدا تعالیٰ کے واسطے ہوں" حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں:۔

اخلاص سچا کرنا نیت کا خدا تعالیٰ کے ساتھ"

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:۔

"اخلاص کدورتوں سے عمل کو صاف کرنے کا نام ہے"

رویمؒ کا قول ہے کہ عمل میں اخلاص اس کا نام ہے کہ مخلص اس پر دونوں جہاں میں کچھ عوض نہ چاہے۔

حقیقت اخلاص ہر چیز میں ممکن ہے کہ دوسری چیز کی آمیزش ہو۔ پس جب آمیزش

سے صاف اور خالص ہو تو اس کو خالص کہا کرتے ہیں اور جس فعل سے وہ شے صاف ہو اس کو اخلاص یعنی خالص کرنا بولتے ہیں۔ لقولہ تعالیٰ :۔

من بین فرث و دم لبناً خالصاً سائغاً للشاربین۔

تو دودھ کا خالص ہونا یہی ہے کہ اس میں خلط خون اور گوبر نہ ہو اور ایسی چیزوں کا جن کا ملنا اس میں ممکن ہے۔ اخلاص کی ضد اشتراک یعنی شرک کرنا ہے۔

اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ نیت صرف تقرب الی اللہ کی ہو اور ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک و صاف ہو۔ آدمی کی نیت تو بعض اوقات قصدِ تقرب ہو مگر اس میں کوئی دوسری چیز ریا یا اور کوئی حظ نفس وغیرہ مل گیا ہو۔ مثلاً کوئی شخص بقصد تقرب روزہ رکھے تاکہ پرہیز کا بھی فائدہ حاصل ہو۔ یا حج کرے اس لئے کہ کسی برائی سے جو وطن میں رہنے سے اس پر آتی ہے بچ جائے یا کسی دشمن سے فرار کی نیت ہو یا بیوی بچوں یا کاروبار سے تنگ آگیا ہو۔ یا تہجد پڑھے اور اس میں یہ غرض ہو کہ جاگتا رہے تاکہ اپنے گھر بار کی حفاظت کرے۔ یا درس وعظ اس لئے کہے کہ گفتگو کی لذت سے بہرہ ور ہو۔ یا وضو اس لئے کرے کہ بدن صاف اور سرد ہو جائے۔ یا بیمار کی عیادت اس لئے کرے کہ جب خود بیمار ہو تو اس کی بھی کوئی عیادت کرنے آئے یا جنازہ کے ساتھ اس لئے جائے کہ اگر اس کے یہاں کوئی مر جائے تو اس کے ساتھ بھی لوگ چلیں، یا ان سب باتوں کو اس نیت سے کرے کہ خیر کے ساتھ مشہور ہو اور لوگ اسے اچھی نگاہ سے دیکھیں۔

ان سب صورتوں میں اگر باعثِ تقربِ الٰہی بھی اور ان خطرات میں سے بھی کوئی خطرہ اس کے ساتھ مل جائے تو اس کا عمل اخلاص سے باہر نکل جائے گا اس کو یہ نہیں کہیں گے کہ خالص خدا کی ذات کے واسطے ہے۔ حدیثِ قدسی ہے:۔

"میں سب شرکاء کی نسبت شرک سے غنی تر ہوں"

بس کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کوئی فعل یا عبادت اس طرح کے فانی یا وقتی اغراض سے خالی ہو۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ جس شخص کو اپنی تمام عمر میں ایک لحظہ بھر خالص ذات کیلئے نیت ہو گا وہ بھی نجات پائے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اخلاص نہایت کمیاب چیز ہے۔ اور دل کا صاف کرنا ان آمیزشوں سے نہایت دشوار ہے۔ اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ عمل ان سب آمیزشوں سے خالی ہو۔ خواہ یہ آمیزشیں تھوڑی ہوں یا بہت۔ یہاں تک کہ باعث بجز قصد تقرب کے اور کوئی نہ ہو۔

ہم جو کام بھی کرتے ہیں اس کی دو شکلیں پیدا ہوتی ہیں ایک مادی جو ہمارے ظاہری جسمانی اعضاء کی حرکت و جنبش سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسری روحانی جس کا ہیولیٰ ہمارے دل کے ارادہ و نیت اور کام کی اندرونی غرض و غایت سے تیار ہوتا ہے کام کی بقا اور برکت دین و دنیا دونوں میں اسی روحانی پیکر کے حسن و قبح اور ضعف و قوت

کی بنا پر ہوتی ہے۔ انسانی اعمال کی پوری تاریخ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہے۔ اسی لئے اخلاص کے بغیر نہ تو عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اخلاق و معاملات عبادت کا درجہ پاتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت ہم اپنی نیّت کو ہر غیر مخلصانہ غرض و غایت سے بالا اور ہر دنیاوی مزد و اجرت سے پاک رکھیں۔ تورات اور قرآن دونوں میں ہابیل اور قابیل حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ ہے۔ دونوں نے خدا کے حضور میں اپنی اپنی پیداوار کی قربانیاں پیش کیں۔ خدا نے ان میں سے صرف ایک کی قربانی قبول کی اور اسی کی زبان سے اپنا یہ اصول بھی ظاہر فرمایا۔ اِنّما یتقبل اللہ من المتقین۔

"خدا تو متقیوں ہی سے قبول کرتا ہے" متقی بھی وہی ہوتے ہیں جو دل کے اخلاص کے ساتھ ربّ کی خوشنودی کے لئے کام کرتے ہیں۔ ان ہی کا کام قبول ہوتا ہے اور ان کو دین و دنیا میں فوز و فلاح بخشا جاتا ہے۔ ان کو خدا کے یہاں محبوبیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور دنیا میں ان کو ہر دلعزیزی نصیب ہوتی ہے۔ ان کے کاموں میں برکت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں فرعونیوں کو ایک پیغمبر اور جادوگر کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا کہ ان دونوں سے انہوں نے عجائب و غرائب میں ظاہری نہیں باطنی صورت کا فرق ہے۔ ایک کے کام کی غرض صرف تماشا اور بازیگری ہے اور دوسرے کا منصب ایک پوری قوم کی اخلاقی و روحانی زندگی میں انقلاب بسرپا کرنا ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ ہے کہ جادوگر جدھر سے بھی آئے گا فلاح نہیں پائے گا۔

ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ

چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ مصر کے جادوگروں کے حیرت انگیز کرتب صرف کہانی بن کر رہ گئے اور سیّدنا موسیٰؑ کے معجزات قاہرہ سے ایک نئی قوم، ایک شریعت اور ایک نئی زندگی اور ایک نئی سلطنت پیدا کی جو مدتوں دنیا میں قائم رہی۔

غرض عمل کا اصلی پیکر وہی ہے جو دل کے کارخانہ میں تیار ہوتا ہے۔ اسی لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر کام سے پہلے دل کی نیّت کا جائزہ لے لیا جائے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یہ نکتہ خود بخود حل ہو جائے گا کہ اسلام نے ہر عبادت کے صحیح ہونے کے لئے ارادہ اور نیّت کو کیوں ضروری قرار دیا ہے۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امریٍ ما نوی

اہمیّت و فضیلت

قرآن پاک میں سات موقعوں پر یہ الفاظ ہیں مخلصین لہ الدین اطاعت گزاری کو خدا کے لئے خاص کر کے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت اور عمل کا پہلا رکن یہ ہے کہ وہ خالص خدا کے لئے ہو، یعنی اس میں کسی ظاہری و باطنی بت پرستی اور خواہش نفسانی کو دخل نہ ہو۔

الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلی

یعنی خدا لئے برتر کی ذات کی خوشنودی کے سوا

کوئی اور غرض نہ ہو۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے سلسلے میں ہمیشہ یہ اعلان کیا ہے۔ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ہم کو کوئی دنیاوی مزد اور ذاتی معاوضہ مطلوب نہیں۔ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین "اور میں اس پر کوئی مزدوری تم سے نہیں چاہتا۔ میری مزدوری تو اسی پر ہے جو ساری دنیا کا پروردگار ہے" حضرت نوحؑ کی زبان سے بھی یہی فرمایا گیا۔

یقوم لا اسئلکم علیہ مالا ان اجری الا علی اللہ

"اے میری قوم! میں تم سے اس پر دولت کا خواہاں نہیں میری مزدوری تو خدا ہی پر ہے۔"

خود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ دینے کا فرمان ہوا۔ میں تم سے اپنے لئے کوئی مزدوری واجرت نہیں چاہتا۔ اگر چاہتا بھی ہوں تو تمہارے لئے۔

قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ وھو علی کل شیئ شھید۔

"کہہ دیجئے میں نے تم سے جو اجرت چاہی تو وہ تمہارے ہی لئے۔ میری اجرت تو اللہ پر ہے اور وہ ہر بات پر گواہ ہے"

یعنی وہ ہر بات کو جانتا اور نیتوں سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میری ہر کوشش بے غرض اور صرف خدا کے لئے ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ

"میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں چاہتا مگر قرابت داروں میں محبت رکھنا"

یعنی رسولؐ نے اپنی بے غرض کوششوں سے اُمت کو جو دینی و دنیاوی فائدے پہنچائے اس کے لئے وہ تم سے کسی ذاتی منفعت کا خواہاں نہیں۔ اگر وہ اس کے معاوضہ میں کچھ چاہتا ہے تو یہ ہے کہ قرابت داروں کا حق ادا کرو اور آپس میں محبت رکھو۔

اسی قسم کی بات ایک اور آیت میں ظاہر کی گئی ہے۔

قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔

"کہہ دیجئے کہ میں تمہاری اس رہنمائی پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا مگر یہی کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑے"۔ یعنی میری اس محنت کی مزدوری یہی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ حق کو قبول کر لیں۔

دنیا میں بھی اخلاص ہی کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔ کوئی بظاہر نیکی کا کتنا ہی بڑا کام کرے لیکن اس کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد اس کام سے کوئی ذاتی غرض یا محض دکھاوا اور نمائش تھا تو اس کی قیمت و قدر فوراً نگاہوں سے گر جائے گی۔ اسی طرح روحانی عالم میں بھی خدا کی نگاہ میں اس چیز کی کوئی قدر نہیں جو اس کی بارگاہ نیاز کے علاوہ کسی اور کے لئے پیش

کی گئی ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ نیکی کا ہر کام دنیاوی لحاظ سے بے غرض و بے منت و بلا خیال مزدوری و اجرت اور تحسین و شہرت کی طلب سے بالاتر ہو۔ یہ تحسین و شہرت کا معاوضہ بھی دین تو الگ رہا دنیا بھی ان ہی کو ادا کرتی ہے جن کی نسبت اسے یقین ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا کام ان ہی شرائط کے ساتھ انجام دیا ہے۔

اخلاص کتاب و سنت کی روشنی میں

اسلام کی یہ اہم ترین تعلیم ہے کہ انسان کا کام ہر قسم کی ظاہری و باطنی بت پرستی سے پاک ہو۔ رسول اکرمؐ کو اس اعلان کا حکم ہوتا ہے

قل انی امرت ان اعبد اللہ مخلصا لہ الدین

کہہ دیجیئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اطاعت گذاری کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی عبادت کروں۔

قل اللہ اعبد مخلصاً لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ

کہہ دیجیئے کہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اپنی اطاعت گذاری کو اس لئے خالص کر کے۔ تو تم اے کفار خدا کو چھوڑ کر جس کی عبادت چاہے کرو۔

حضور اکرمؐ کو حکم ہوتا ہے

فاعبد اللہ مخلصاً لہ الدین۔ الا للہ الدین الخالص۔

آپ اللہ کی عبادت کیجیئے خالص کرتے ہوئے اطاعت گزاری کو اس کے لئے۔ ہوشیار کہ اللہ ہی کے لئے ہے خالص اطاعت گزاری۔

مقصود یہ ہے کہ خدا کی اطاعت گزاری میں خدا کے سوا کسی اور چیز کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔ وہ چیز خواہ پتھر یا مٹی کی مورت یا آسمان و زمین کی مخلوق یا دل کا تراشا ہوا کوئی باطل مقصود ہو۔ اسی لئے قرآن پاک نے انسانی اعمال کی نفسانی غرض و غائیت کو بھی بت پرستی قرار دیا ہے۔ فرمایا کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو خدا بنا لیا ہے۔

جو شخص آخرت کا طالب ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا عمل اللہ کے واسطے ہو اور اس میں نمود کا کچھ بھی حصہ نہ ہو۔ اس سے دنیا میں بھی بہتیرے کام بنیں گے اور مصیبتوں سے نجات پائے گا اور اس پر شیطان کا تسلط نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

الا عبادک منھم المخلصین کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا سب پر مسلط کر دوں گا۔

قولہ تعالیٰ

فمن کان یرجو لقاء ربہ ..... احدا

جس کو آخرت میں اپنے رب کی زیارت کی تمنا ہو اس کو چاہیئے کہ عمل نیک کی سعی کرے اور اخلاص حاصل کرے اور اس میں کسی کو شریک قرار نہ دے۔

ایک شخص نے آنحضرتؐ سے پوچھا ایک شخص احسان کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے مگر اس کو یہ بات محبوب ہے کہ لوگ اس کی تعریف بھی کریں اور ثواب بھی ملے آنحضرتؐ

نے اس کو کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت آخری
من کان یرجو لقاء الخ

• حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا
جس شخص نے اپنے عمل میں شرک کیا ہوگا اس سے کہا جائے
گا کہ تو اپنا بدلہ اس سے لے جس کے لئے تو نے عمل کیا ہے۔
صحیحین میں ہے آنحضرتؐ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ تین آدمی
جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آگھیرا۔ انہوں نے ایک
غار میں پناہ لی۔ اتنے میں غار کے منہ پر پہاڑ کا ایک پتھر
آگرا جس نے اسے بند کر دیا۔ اس وقت ایک نے دوسرے
سے کہا کہ سوچو اگر کوئی عمل خالص اللہ کے واسطے کیا ہو تو
اس کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگو۔ کیا عجب پتھر ہٹ
جائے اور غار کھل جائے۔ پس ایک نے کہا کہ ربا اللہ!
میرے والدین زندہ تھے جو بہت بوڑھے تھے اور میرے
چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے جن کی گزران کا بوجھ مجھ پر
تھا پس جب میں محنت مزدوری سے فارغ ہو کر شام کو
گھر آتا تو جانوروں کا دودھ دوہتا۔ پہلے اپنے ماں باپ
کے پاس دودھ لے جاتا اور انہیں بچوں سے قبل پلاتا۔ ایک
دن مجھے دیر ہوگئی یہاں تک کہ ماں باپ سو گئے۔ پس
جب میں نے دودھ دوہا تو لے کر والدین کے سرہانے آ کر
کھڑا ہو گیا۔ ان کو جگانا بھی گراں گزرتا تھا اور ان سے پہلے
بچوں کو پلانا بھی ناگوار تھا۔ بچے بھوک سے چلاتے رہے۔
یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پس اگر تیرے علم میں ہے کہ میں نے
یہ کام تیری ذات کی طلب میں کیا تھا تو اتنا دہانہ غار کا کھول دے
کہ ہمیں آسمان نظر آنے لگے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اتنا کھول دیا
کہ انہوں نے آسمان دیکھ لیا۔ دوسرے نے کہا میری ایک
چچا زاد بہن تھی جس سے میں انتہائی محبت کرتا تھا پس
میں نے اس سے وصال کی درخواست کی تو اس نے
انکار کیا اور کہا کہ جب تک سو دینار نہ دے کامیاب
نہ ہوگا۔ پس میں نے بہ دقت سو دینار جمع کئے اور وہ
اسے دے کر بغرض مجامعت اس کے پاس بیٹھا تو
اس نے کہا اے بندۂ خدا اللہ سے ڈر۔ پس میں کھڑا ہو گیا
بار الہا! اگر تیرے علم میں یہ کام میں نے خاص تیرے
لئے کیا تھا تو دہانہ غار ہمارے لئے کھول دے۔ چنانچہ
فوراً کچھ حصہ اور کھل گیا۔ تیسرے نے کہا اے بار الہا!
میں نے ایک فرق چاول اُجرت پر ایک مزدور رکھا تھا۔
جب وہ کام کر چکا تو کہنے لگا کہ میرا حق دو۔ میں نے اس
کا حق اس پر پیش کیا تو وہ منہ پھیر کر چل دیا۔ میں برابر
اس کی کھیتی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اس گائے کا
گلا اور ان کا چرواہا فراہم کر لیا وہ میرے پاس آیا اور کہنے
لگا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق مجھے دیدے
تب میں نے کہا کہ ان چیزوں پر قبضہ کرے۔ وہ کہنے
لگا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا
میں مذاق نہیں کرتا یہ لے جا۔ چنانچہ وہ لے کر چلا گیا۔ پس
اگر تیرے علم میں میں نے یہ خالص تیرے واسطے کیا تھا تو باقی
دہانہ بھی کھول دے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس کو بھی
کھول دیا۔

ترتیب

المرشد			۱
اشتہار			۲
★ — اداریہ			۴
★ — دلائل السلوک	تلخیص	ابوالحسن نقوی	۸
★ — اسرار التنزیل		ملک محمد اکرم	۲۲
★ — چراغِ مصطفوی		حافظ عبدالرزاق	۳۰
★ — اخلاص		پروفیسر عبدالشکور حافظ	۳۳
★ — اسلام میں عورت کا مقام		جناب ابوسعید	۴۲
★ — افہام وتفہیم		حافظ عبدالرزاق	۴۷
★ — معارف		ادارہ	۶۰
★ — گفتگو		ادارہ	۶۴
★ — نعت		خورشید رضوی	۶۹

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عمل قلیل وحقیر ہوتا ہے مگر اخلاص نیت کی وجہ سے اس کا اجر و ثواب کثیر ہو جاتا ہے۔ ایک فاحشہ عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تھا حق تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں عمل کی قلت کا تردد مت کر بلکہ قبول کا تردد کر اس لئے کہ آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا۔

اخلص العمل یجزئک منه القلیل

اخلاص کے ساتھ عمل کر، اس میں سے تجھے تھوڑا ہی کافی ہوگا۔

اخلاص اقوال صلحاء کی روشنی میں

حضرت معروف کرخیؒ نفس کو سمجھاتے اور کہتے اے نفس اخلاص کر تجھ کو خلاص ہو۔

یعقوب کفوف کہتے ہیں مخلص وہ ہے جو اپنے حسنات ایسے چھپائے جیسے برائیاں چھپاتا ہے۔

ابو سلیمان فرماتے ہیں خوشحال ہے وہ شخص جس کا ایک قدم بھی صحیح ہو جائے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور شخص کی نیت اس میں نہ ہو۔

بعض نے فرمایا علم تخم ہے عمل کھیتی اور اس کا پانی اخلاص ہے۔

محمد بن سعید مروزی فرماتے ہیں تمام معاملہ دو اصولوں کی طرف رجوع کرتا ہے ایک تو فعل اس کا تیرے ساتھ ہے دوسرا تیرا فعل۔ اس کے لئے پس جو کچھ وہ تیرے ساتھ کرے اس پر تجھے راضی رہنا چاہیئے اور جو تو اس کی خاطر کام کرے اس میں اخلاص کرنا چاہیئے۔ اگر یہ دونوں باتیں بن پڑیں تو دونوں جہانوں کی فلاح کو پہنچے گا۔

حضرت سہلؒ سے پوچھا گیا کہ نفس پر سخت تر چیز کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اخلاص۔ اس وجہ سے کہ نفس کو اس میں کچھ بہرہ نہیں۔

سری سقطی۔ اگر تم اخلاص کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھو اس سے بہتر ہے کہ ستر یا سات سو احادیث بڑی اسناد کے ساتھ لکھو۔

اخلاص اسوۂ صلحاء کی روشنی میں

ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں ابو عبید تستری کے ساتھ تھا اور وہ عرفہ کے دن بعد نماز عصر اپنی زمین میں ہل چلا رہے تھے کہ ابدال میں سے ان کے ایک دوست کا ان پر گزر ہوا انہوں نے ان کے ساتھ چپکے چپکے کوئی بات کی۔ پس ابو عبیدہ نے کہا کہ نہیں۔ اور ابدال ابر کی طرح زمین کو چھوتے ہوئے چلدیئے۔ یہاں تک کہ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے پوچھا یہ بزرگ کیا فرماتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے درخواست کرتے تھے کہ ان کے ساتھ حج کو چلو مگر میں نے کہہ دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا حج کیوں نہ کر لیا۔ فرمایا حج کے متعلق میری نیت تو تھی نہیں۔ نیت تو یہ کر چکا تھا کہ آج شام تک اس زمین کی تخم ریزی پوری کروں گا لہذا مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ان کی وجہ سے ان کے ساتھ حج کو گیا تو حق تعالیٰ

کے غصہ کا نشانہ بن جاؤں گا کہ اللہ کے عمل میں اللہ کے سوا دوسری شے (یعنی دوست کی خاطر داری) کو داخل کروں گا۔ جس کام میں میں اب ہوں۔ وہ اخلاص نیت کی وجہ سے میرے نزدیک ستّر حج سے بہتر ہے۔

ایک بزرگ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے اعمال کی کیا حالت رہی۔ فرمایا کہ جو عمل بھی میں نے اللہ کے واسطے کیا تھا اس کو موجود پایا حتّٰی کہ انار کا دانہ جس کو راستہ سے اٹھایا تھا وہ بھی۔ حتّٰی کہ اپنی بلی جو مر گئی تھی حسنات کے پلّہ میں دیکھا۔ اور میری ٹوپی میں ایک ریشمی ڈورا تھا جس کو بدیوں کے پلّہ میں دیکھا اور میرا ایک گدھا جس کی قیمت سو دینار تھی مر گیا تھا اس کا ثواب مجھے نظر نہ آیا۔ تو میں نے کہا کہ بلی کی موت کو نیکیوں کے پلّہ میں اور گدھے کے مرنے میں کچھ بھی نہیں ملا۔ فرمایا گیا کہ وہ ادھر بھیج دیا گیا جدھر تو نے اسے بھیجا تھا۔ کیونکہ جب کسی نے تجھ سے آکر کہا کہ گدھا مر گیا تو تو نے جواب دیا تھا کہ گیا اللہ کی لعنت میں لہٰذا اس کا اجر ضائع ہو گیا اور اگر تو کہتا کہ گیا اللہ کے راستے میں تو اس کو بھی اپنی نیکیوں میں موجود پاتا۔

بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں تری کی راہ جہاد کو چلا۔ ایک شخص نے ہم میں سے توشہ دان بیچنا چاہا میں نے کہا کہ اس کو مول لے لوں گا۔ جہاد میں کام آئے گا۔ جب فلاں شہر پہنچوں گا تو اس کو بیچ دوں گا۔ کچھ فائدہ ہو جائے گا۔ اس خیال سے لے لیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا گویا دو شخص آسمان سے اترے ہیں۔ ایک دوسرے سے کہتا کہ نمازیوں کے نام لکھ لو۔ دوسرا اس کو بتانے لگا کہ فلاں شخص سیر کے لئے نکلا۔ فلاں تجارت کے لئے اور فلاں خدا کی راہ میں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور کہا لکھو یہ شخص تجارت کے لئے نکلا۔ میں نے کہا خدا سے ڈرو میں تجارت کی غرض سے کب نکلا ہوں۔ میرے پاس کیا ہے جس سے میں تجارت کروں گا۔ میں تو جہاد ہی کے واسطے نکلا ہوں۔ اس نے کہا کہ بھائی تم نے کل توشہ دان خریدا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس میں کچھ فائدہ حاصل ہو۔ میں رونے لگا اور کہا مجھے تاجر مت لکھو۔ اس نے دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا یوں لکھنا چاہیئے کہ فلاں شخص غزوہ کے لئے نکلا۔ اس نے راہ میں ایک توشہ دان مول لیا کہ اس سے نفع ہو۔ اس پر خدا تعالیٰ جو چاہے گا حکم فرما دے گا۔

حرفِ آخر

پس اجر کامل اخلاص سے حاصل ہوا کرتا ہے اس وجہ سے عمل کرنے والے کو چاہیئے کہ خوب کوشش و احتیاط رکھے کہ کہیں میری عبادت میں کوئی ایسی آفت نہ پیش آئی ہو جس کا وبال ثواب کی نسبت زیادہ ہو۔ اہلِ بصیرت میں سے جو لوگ خوف کرتے تھے ان کا یہی دستور تھا اور ہر اہلِ بصیرت کو اپنا یہی دستور العمل رکھنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں میرا عمل جو ظاہر ہو گیا اسے میں شمار نہیں کرتا۔ اور عبدالعزیز بن ابی رداء فرماتے ہیں کہ اس گھر کا مجاور ساٹھ برس رہا اور حج کئے لیکن اعمال الٰہی میں جو اعمال میں نے کئے جب

اس میں اپنے نفس کو ٹٹولا تو شیطان کا حصہ اس عمل میں بہ نسبت خداتعالیٰ کے حصہ کے زیادہ پایا۔ میں یہی غنیمت جانوں کہ وہ اعمال نہ موجب ثواب ہوں نہ باعثِ عتاب۔

ان آفات میں سے ایک یہ ہے کہ ریا کے خوف سے عمل کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے کہ منتہائے آرزوئے شیطان یہی ہے کہ آدمی عمل نہ کرے حالانکہ مقصود یہ ہے کہ اخلاص نہ جانے پائے اور جب عمل ترک کر دیا جائے گا تو عمل اور اخلاص دونوں جاتے رہیں گے۔ کوئی فقیر ابوسعید خراز کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے حرکات میں اخلاص کے ہونے کا ذکر فرمایا۔ وہ فقیر ہر حرکت کے وقت اپنے دل کا نگران ہوا اور اخلاص کا طالب۔ اسے اپنی حاجات کا پورا کرنا بھی ناممکن ہوگیا اور حضرت ابوسعید کو اس سے تکلیف ہوئی کیونکہ کام کرنے میں خود دقت اٹھانی پڑی۔ اس سے پوچھا کہ تم اب کام کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا کہ آپ کے ارشاد کے مطابق اعمال میں حقیقت اخلاص کا مطالبہ اپنے نفس سے کرتا ہوں مگر اکثر کاموں میں میرا نفس اخلاص سے عاجز ہے اس لئے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کر۔ اخلاص عمل کو قطع نہیں کرتا۔ عمل کرتا رہ اور اخلاص حاصل کرنے میں کوشش کر۔ میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ عمل کو چھوڑ دو بلکہ یہ کہا کہ عمل کو خالص کرو۔

جناب ابوسعید

اسلام میں عورت کا مقام

ایک مثالی معاشرہ میں فرد کی مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں ۔ اور ہر حیثیت کے مختلف تقاضے ہوتے ہیں ۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اسلام نے اس دعویٰ کا عملی ثبوت جس انداز سے دیا ہے تاریخ عالم میں اس کے نقوش آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے نظر آتے ہیں، بشرطیکہ کسی نے عناد و تعصب کی عینک نہ لگا رکھی ہو۔

مرد اور عورت ہر معاشرے کے بنیادی عوامل ہیں ہر ایک کا اپنا اپنا دائرۂ عمل اور طریق کار ہے۔ چونکہ آج کی محفل میں ہمارا موضوع خواتین کے مسائل ہیں اس لئے ہم اپنی بحث کو اسی دائرہ میں محدود رکھیں گے ۔

عورت کی حیثیت ابتدا میں بیٹی کی ہے گو اس اعتبار سے بھی اسلام نے مکمل رہنمائی کا سامان کر دیا ہے کہ اولاد کے حقوق اور فرائض کی مکمل فہرست دے دی ہے مگر عورت کی یہ حیثیت کوئی مستقل، با اختیار یا تعمیری طرز کی نہیں ہوتی اس لئے اس کا اجمالی ذکر ہی کافی ہے ۔ نہ کر اولاد کو والدین کی اطاعت، خدمت اور تعظیم کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ ان کے فرائض میں داخل ہے اور ان کے حقوق کا پہلو والدین کے فرائض کے تحت آتا ہے نبی رحمت نے بچیوں کی پرورش کرنے کے بعد صحیح تربیت کرنے والے والدین کو نعمائے جنت کے لیے بشارتیں دے سنائے ہیں، مگر اپنے موجودہ حالات دیکھ کر مشکل سے یقین آتا ہے کہ مسلمان والدین نے ان کی تربیت کی ہے اور والدین کے ساتھ بچیوں کا رویہ دیکھ کر تو اور بھی زیادہ مایوسی ہوتی ہے۔ مگر گلہ کس کا ؟

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے،
روشن ہے نگاہ آئینۂ دل ہے مکدر

غلط تربیت سے بچیوں کے بے راہ ہونے میں جو کمی رہ گئی تھی مادہ پرستانہ نظام تعلیم نے اس کو پورا کر دیا اور اہل بصیرت یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

اس غیر فطری انقلاب کی وجہ کیا ہے ؎

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

عمر کی اس منزل کے بعد عورت کی مستقل با اختیار اور

تعمیری زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جب وہ بیوی بنتی ہے اور اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب وہ ماں کہلانے لگتی ہے بشرطیکہ فیملی پلاننگ کے طوفان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔

عورت کی اس حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کریم کی سورۃ النساء میں اصولی تدابیر کا ذکر کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

(۱) مرد اور عورت کے درمیان شوہر اور بیوی کا تعلق قائم ہونے سے صحت مند معاشرہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس لئے نکاح کی ترغیب دی گئی اور آزاد شہوت رانی اور چوری چھپے آشنائی کرنے سے روکا گیا۔

(۲) وضاحت کی کہ مرد اور عورت کا دائرہ عمل فطری طور پر مختلف ہے یہ اپنے اپنے دائرہ میں کام کریں تو معاشرہ کی ترقی فطری رفتار سے ہو گی اور ہر کام معیاری ہو گا ورنہ گھریلو زندگی کا نظام تلپٹ ہو جائے گا۔

(۳) شوہر گھر کی چھوٹی سی سٹیٹ کا نگران اور ذمّہ دار ہے اور بیوی اس کی مشیر اور اس ریاست کے لئے وضع کردہ پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی ذمّہ دار ہے۔

(۴) بہترین بیوی وہ ہے جو شوہر کی وفادار، فرمانبردار اور اس کی اولاد، مال اور آبرو کی محافظ ہو۔

(۵) جو بیوی یہ خصوصیات کھو بیٹھے، شوخ، سرکش اور غیر ذمّہ دار بن جائے اس کی اصلاح کی کوشش کرو ورنہ اس ریاست کا امن و سکون اٹھ جائے گا۔

یہ پانچ نکاتی منصوبہ عورت کے مسائل کا مرکز اور محور ہے اور مثالی معاشرہ قائم کرنے کا واحد کامیاب پروگرام ہے۔

آج کی مسلمان عورت عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔

"تکلفات کی اس سراسر مصنوعی زندگی میں نکاح کا مسئلہ ہی خاصا دشوار بن چکا ہے۔ مغرب نے خاندان کی اس بنیادی ضرورت کو ہی غیر ضروری سمجھا پھر اس نے مشرق پر جو یلغار کی تو بقول شاعر ؏

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

مشرقی عورت کو آزادی کے نام سے آوارہ مزاج بنا کے چھوڑا۔ خود مغربی سوسائٹی کا یہ عالم ہے کہ آج وہ اپنے بوئے ہوئے کانٹوں کے زخموں سے نڈھال ہو رہی ہے سارڈیم Soedium نے اپنی مشہور کتاب "The crises of our Age" میں اپنا رونا رو رہا ہے کہتا ہے:-

"انسان محض حیاتیاتی وجود نہیں رکھتا جس کا اپنا کوئی تفکر نہ ہو بلکہ وہ بہت سے ایسے احساسات اور رجحانات رکھتا ہے جو صحیح نشوونما کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس فرض کو ماضی میں خاندان سرانجام دیتا تھا لیکن آج کل خاندان اس اہم فرض کی بجا آوری میں مجرمانہ غفلت برت رہا ہے اس کوتاہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک ایسا خاندان جس میں خاوند اور بیوی کے تعلقات کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہ ہوں وہاں بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہو سکتی جس کی وجہ سے بچوں میں اوصاف حمیدہ پیدا ہونے کی بجائے بہت سی اخلاقی کمزوریاں ابھر آتی ہیں ایسے خاندانوں میں پیدا ہونے والے بچے بالعموم کم ظرف تھڑ دلے اور منافق ہوتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ

اب مجرموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اب دنیا میں ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں جو نہ تو کسی مضبوط سیرت کے مالک ہیں اور نہ ہی انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے"

فطرت سے روگردانی کا نتیجہ تو بھگتنا ہی پڑتا ہے اس میں مشرقی یا مغربی کی کوئی قید نہیں۔

اسلام نے معاشرہ کی بہتری کے لئے یہ تاکید کی ہے کہ سوسائٹی میں زیادہ دیر تک عورت کا بن بیاہے رہنا سخت مضر بلکہ مہلک ہے۔ قرآن مجید نے اتنی احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ سورہ نور میں بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

(۴) جہاں تک عورت کے فرائض اور اس کے دائرہ عمل کا تعلق ہے۔ طوفان مغرب نے اسے فطرت سے بغاوت کرنے پر ایسا اکسایا ہے کہ اب وہ اس زہر کو تریاق سمجھنے بلکہ تمام دنیا کو منوانے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے مغرب کا طرفہ واردات یہ ہے کہ پہلے آزادئ نسواں کا نعرہ لگایا پھر مرد اور عورت میں مساوات کے نظریے کا پرچار کیا۔ عورت پر یہ جادو چل گیا۔ وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور آزادی کی شاہراہ پر سرپٹ دوڑنے لگی۔ اس بھولی بھالی مخلوق نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ وہ ریاست جو اس کے دم سے گل و گلزار بنی ہوئی تھی اب وہ ویران ہو چکی ہے۔ اور عورت خوش ہے کہ میں نے میدان مار لیا۔ پھر مساوات کی غلط تعبیر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور عورت جو انسان سازی کا اہم فریضہ انجام دینے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ اب کارخانوں اور دفتروں میں جوتے چٹخاتی پھرتی ہے۔ اس نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مرد نے اس کے ساتھ کیسی ستم ظریفی کی ہے کہ اپنا بوجھ ہلکا کر کے عورت پر لاد دیا مگر عورت کے فرائض میں سے کوئی کام اپنے ذمہ نہ لیا یعنی عورت کو اپنے فطری فرائض کے علاوہ مرد کا بوجھ بھی اٹھانا پڑا اور لطف یہ کہ خوشی سے پھولی نہیں سماتی کہ میں نے حقوق نسواں حاصل کر کے دم لیا۔ مرد نے اب ایک نئی چال چل کے عورت کا بوجھ کچھ ہلکا کر دیا ہے۔ بھلا ہو فیملی پلاننگ والوں کا جا بجا "خوشحال کنبہ" اور "لِگ ماشوماں لِگ غم" کے بورڈ لگے ہیں۔ اور پروپیگنڈا اس دور کا وہ کامیاب ہتھیار ہے کہ بڑی بڑی مستحکم حکومتیں بھی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں۔

جن گودوں میں خالد اور طارق پلتے تھے آج یا تو وہ گودیں خالی ہیں اور کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ ؎

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار زن تہی آغوش

یا ان گودوں میں ایسے بچے پلتے ہیں جن کی نگہ بلند ہی ازم پر جا کر اٹک جاتی ہے۔ اور ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر آدمی حیران ہوتا ہے کہ انہیں کس لفظ سے پکاروں سوائے اس کے اور کوئی ترکیب نہیں سوجھتی کہ آدمی کہہ دے "ٹِریں کہاڑاں"

اس ناخوشگوار اور غیر فطری تبدیلی کا نتیجہ کی زبانی سن لیجیے۔

"موجودہ سماج نے سب سے زیادہ فحش غلطی یہ کی ہے کہ اس نے تربیت کے لئے خاندان کے مقابلے میں مدرسوں پر اعتماد کیا ہے۔ آج کی ماں اپنے بچوں کو نرسری سکول میں صرف اس لئے چھوڑ آتی ہے کہ وہ اپنی معاش کے لئے، آزاد شہوت رانی کے لئے، فضول قسم کی آرٹ پرستی کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت بچا سکے اور اس طرح اس طرز زندگی نے خاندانی نظام کو جس کے زیر اثر رہ کر بچہ کچھ سیکھ سکتا تھا بالکل درہم برہم کر دیا ہے۔"

عورت جب اپنی فطرت پر قائم تھی اس کی تربیت سے مرد میدان نشوونما پاتے تھے۔ مگر اب حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ بقول

شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے
شمشیر کو چھپائیے زن کو نکالئے

مساوات کے جنون نے یہ بھی نہ سوچنے دیا کہ اگر کسی سلطنت کے صدر اور وزیر داخلہ کے اختیارات یکساں ہوں، اور دونوں مساوات کے دعویدار ہوں تو اس سلطنت میں انارکی ہو گی یا امن و سکون۔ سیاسیات میں تو تقسیم کار کا اصول اپنائے بغیر چارہ نہیں مگر عمرانیات میں یہ اصول اور اس اصول کے تحت تقسیم جو خالق انسان نے کی ہے اس کے خلاف بغاوت کرنا ہی ترقی کی معراج سمجھا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے مرد اور عورت دونوں بنیا بن گئے ہیں کہ لینے کے باٹ اور اور دینے کے باٹ اور ہیں البتہ دونوں نے ایک انوکھے اصول پر آپس میں صلح کر لی ہے کہ خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں

حیا ان کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

اب گھر کیا ہے فلم سٹوڈیو ہے اور میاں بیوی بس زندگی کی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔

(۴) اسلام نے مثالی بیوی کے جو اوصاف بتلائے تھے، وہی اس کی اصل خوبی تھی مگر اب وہ اوصاف تصور ہونے لگے

اور عورت کے لئے اس ایک تبدیلی نے کئی مسائل کھڑے کر دیئے۔ مثلاً عورت کی پہلی خوبی یہ ہے کہ شوہر کی وفادار ہو۔ مگر آزادی اور مساوات کا نعرہ لے کر اور علم بلند کئے جو عورت میدان میں نکل آئی ہے اس پر وفاداری کی تہمت کیونکر لگائی جا سکتی ہے اس وفاداری کی بہار دیکھنی ہو تو یورپ اور امریکہ کے طلاقوں کے اعداد و شمار پر نگاہ کیجئے مگر مشرقی عورت مغرب کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں کو منہ سے لے کر چاٹنا ہی اپنا کمال سمجھتی ہے۔

دوسری صفت ہے فرمانبردار ہونا۔ تو یہ وصف بھی out of date ہے۔ جب مساوات کا اصول مسلّم ہے تو فرمانبرداری کے کیا معنے کیا وزیر داخلہ کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ سربراہ مملکت کی دی ہوئی پالیسی پہ پابندی سے عمل کرے۔ اگر ایسا ہے تو یہ وزیر داخلہ کی توہین ہے۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ خاوند کی اولاد، مال اور آبرو کی محافظ ہو۔ اولاد، مال، آبرو اور حفاظت ——

Relative Terms ہیں

اولاد خاوند کی کب ہے وہ تو بیوی کی اپنی ہے پھر اس کی حفاظت اس سے زیادہ کیا ہو کہ اسے بننا سنورنا سکھا کر ٹیڈی اور ہپی بنا دے۔ سو عورتیں یہ سب کچھ کر رہی ہیں رہا مال کا معاملہ تو بیوی جب خود کماتی ہے تو وہ اپنے مال کی حفاظت کرے یا خاوند کے مال کی سنتری بنی رہے۔

آبرو کے معیار اور پیمانے بدل گئے ہیں اس بدلتی ہوئی دنیا میں ہر چیز بدل رہی ہے تو آبرو کے معیار کا پیمانہ بدل جائے تو اس میں کیا قباحت ہے پرانی وضع کے لوگ خواہ مخواہ یہ کہتے پھرتے ہیں ؂

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے
اب بے حیائی کو آرٹ کا نام دے دو یہی خوبی

شمار ہوگی۔ کنجری کا ثقیل لفظ ہٹا کر اس کی جگہ فلم سٹار کہہ دو تو یہ سمجھی جائے گی بلکہ اس پر ناز ہوگا۔

مختصر یہ کہ اسلام نے مثالی بیوی کے جو عمدہ اوصاف بیان کیے تھے جب وہ سارے کے سارے بدل گئے تو خواتین کے مسائل لازماً الجھیں گے اور اگر ان مسائل کا حل درکار ہے تو درسگاہِ محمدیؐ میں شاگردی اختیار کیے بغیر چارہ نہیں

سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
تو بے باش و پنہاں شو از یں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

حافظ عبدالرزاق

افہام و تفہیم

سوال :۔ دیوبندی اور بریلوی میں کیا فرق ہے۔ ان میں باہمی دشمنی کی حد تک اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔

جواب :۔ ہر چیز کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں ایک صورتِ شے اور دوسری حقیقتِ شے۔ اختلاف کی بھی دو شکلیں ہیں، ایک صورتِ اختلاف، دوسرا حقیقتِ اختلاف اگر اصول میں اتفاق و اتحاد ہو مگر تعبیر یا طریق کار میں رائے مختلف ہو جائیں تو یہ حقیقی اختلاف نہیں ہوتا۔ غالباً اسی قسم کے اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے ہاں اگر اصول میں اختلاف ہو جائے تو معاملہ کی صورت بدل جاتی ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہم دیوبندی اور بریلوی مکتبِ فکر کا جائزہ لیں تو یہ صورت سامنے آتی ہے۔

عقائد یا اجزائے ایمان :

(۱) سر فہرست عقیدہ توحید ہے دونوں فریق توحید کے قائل ہیں، ذات باری اور صفات باری میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک تسلیم نہیں کرتے۔

(ب) رسالت :۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیاء وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے سب کو برحق سمجھتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں فریق آخری نبی اور واجب الایمان اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

(ج) معاد۔ دونوں فریق حیات بعد موت۔ برزخ کی زندگی قیام قیامت، حشر نشر، وزن اعمال، جنت و دوزخ سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(د) الہامی کتب :۔ دونوں فریق ان سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئیں اور قرآن مجید کو آخری آسمانی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور اسے واجب الاطاعت بھی مانتے ہیں۔

(ہ) ملائکہ : دونوں فریق ایمان رکھتے ہیں کہ ملائکہ مستقل مخلوق ہے اور ان کی خاصیت یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔

ایمان کے بعد دین کا دوسرا جز عمل صالح ہے تو اس سلسلے میں :۔

(۱) دونوں فریق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار اور تصدیق قلبی کو لازمی قرار دیتے ہیں کسی نے بھی اس کلمہ میں نہ کمی کی ہے نہ اضافہ کیا ہے۔

(ب) نماز : دونوں پانچ وقت کی نماز کو فرض سمجھتے ہیں

اور اسی طریقہ سے اور اتنی رکعات پڑھنے کے قائل ہیں جو نبی کریم سے تواتر سے ثابت ہے۔ نہ کسی سے تین نمازیں اختیار کی ہیں نہ چھ فرض قرار دی ہیں۔

(ج) روزہ: دونوں فریق رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا فرض سمجھتے ہیں۔ کسی نے یہ مہینہ بدلا ہے نہ دنوں کی تعداد میں کمی بیشی کی ہے۔

(د) زکوٰۃ: دونوں فریق حولان حول کی شرط کے ساتھ صاحبِ نصاب پر ۲½ فی صد زکوٰۃ ضروری سمجھتے ہیں۔

(ہ) حج: دونوں فریق اس امر کے قائل ہیں اور اس پر ان کا عمل ہے کہ صاحبِ استطاعت کو عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ مقررہ وقت پر حج بیت اللہ کرنا ضروری ہے۔ اور روضۂ اطہر کی زیارت کو حج کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے حج کیا مگر میری ملاقات کے لئے نہ آیا اس نے مجھ پر جفا کی۔ (او کما قالؐ)

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ اجزائے ایمان اور ارکانِ اسلام میں دونوں فریق متحد ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں، اور دونوں کے نصابِ تعلیم میں ایک ہی نام کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عقائد میں شرح عقائد نسفی دونوں کے ہاں بنیادی حیثیت رکھتی ہے تفسیر حدیث فقہ میں ادھر بھی وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جو ادھر داخلِ نصاب ہیں۔

وہی قرآن اُدھر بھی پڑھایا جاتا ہے اور ادھر بھی، اسی قرآن کی ایک ہی تفسیریں دونوں کے نصابِ تعلیم میں داخل ہیں۔ شعبۂ حدیث میں دونوں طرف صحاح ستہ کی تعلیم دی جاتی ہے فقہی مسلک کے لحاظ سے دونوں مقلد ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں اس لئے فقہ حنفی کی وہی کتابیں ایک کے ہاں پڑھائی جاتی ہیں جو دوسرے طبقہ کے ہاں داخلِ نصاب ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اصول میں دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں زیادہ سے زیادہ اصولوں کی تعبیر میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔ اگر دونوں کے نصابِ تعلیم میں قرآن مختلف ہوتے احادیث کی کتابیں صحاح ستہ کی جگہ اسفار اربعہ ہوتیں، فقہ میں ایک طرف قدوری، ھدایہ، کنز، شرح وقایہ کی تعلیم دی جاتی دوسری طرف تہذیب الاحکام اور من لا یحضرہ الفقیہ پڑھائی جاتی تو اسے اصولی اختلاف کہا جاسکتا ہے۔ اس تعبیری اختلاف کی صورت تو کچھ یوں بنتی ہے جیسے تعزیرات پاکستان یا ضابطہ فوجداری کی کسی دفعہ کی تعبیر ایک وکیل کچھ کرتا ہے، دوسرا کچھ اور کرتا ہے۔ مگر اس بنا پر کسی کو نہ غدارِ پاکستان کہا جاتا ہے نہ دستورِ پاکستان کا منکر، نہ اس سے پاکستانی شہری ہونے کا حق چھین لیا جاتا ہے۔

اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخالفت یا دشمنی کی قسم کا اختلاف زمانہ حال ہی میں وجود میں آیا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کاروبار تھوک کی بنیاد پر شروع کیا گیا اور اسے چمکایا گیا۔ ممکن ہے اس میں لادین سیاست کو دخل ہو۔ جس میں جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے کوئی بہانہ درکار ہوتا ہے۔ اور اس سستی جذباتیت سے عوام کو زیادہ سے زیادہ ایکسپلائٹ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یا اس کی وجہ کوئی معاشی ہو۔ بہرحال اس دشمنی کی بنیاد کسی دینی جذبے پر ہرگز نہیں۔

اداریہ

بعض بے سروپا باتیں محض پروپیگنڈے کے زور سے کچھ اس طرح مشہور ہو جاتی ہیں کہ حقیقت ثابتہ بن کر ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ مثلاً "چودھویں صدی" کی ترکیب اور وہ مخصوص مفہوم جو اس کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ کوئی انفرادی عیب یا اجتماعی ابتلاء سامنے آیا یار لوگوں نے جھٹ اسے چودھویں صدی کے ساتھ کچھ اس طرح منسوب کر دیا گویا یہ صدی اتنی منحوس ہے اور یہ نحوست اس کے لیے ایسی مقدّر ہو چکی ہے کہ اس سے مفر نہیں کوئی نازیبا بات کوئی ناخوش گوار واقعہ کوئی نامناسب حالات پیش آ گئے تو جھٹ کہہ دیا جاتا رہا کہ بھئی چودھویں صدی جو ہوئی۔

پھر اس کے ساتھ ایک اور خصوصیت کا رشتہ جوڑ دیا گیا کہ چودھویں صدی کے ساتھ یہ نظامِ کائنات ختم ہو جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی بس اس قسم کی بے سروپا باتیں ایک مسلمہ عقیدے کی طرح عوام میں مشہور ہو گئیں۔

جہاں تک دُنیا کے خاتمے کا تعلق ہے اس کی تردید کے لیے کسی عقلی استدلال کی ضرورت نہیں۔ یہ دُنیا اور اس کی رعنائیاں ہر دیکھنے والی آنکھ کے سامنے ہیں رہی نحوست کی بات تو واقعات اس کی بھی تردید کرتے ہیں، سب سے پہلے اپنے مُلک کو ہی لیجیے۔ تین ساڑھے تین سو برس سے دُنیا کے مہذب ڈاکوؤں نے اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا تھا۔ مگر چودھویں صدی میں اسے آزادی کی نعمت حاصل ہوئی کون کہے کہ یہ چودھویں صدی کی نحوست ہی کا مظہر ہے۔ پھر صرف اپنے مُلک کی بات نہیں بلکہ کئی اسلامی ممالک اس صدی میں اغیار کی غلامی سے آزاد ہوئے البتہ اس تلخ حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان ممالک اس صدی میں کفار کے پنجے سے تو یقیناً آزاد ہوئے مگر مسلمانوں کے فکر و عمل پر کفر کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئی اس پر طرّہ یہ کہ اس ذہنی فکری علمی اور تمدّنی غلامی کا احساس بھی نہیں اور آزادی پر ناز بھی ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آزادی کے بعد اپنے سابقہ غیر مسلم آقاؤں کے ساتھ قوم کا فکری اور عملی تعلق یوں بڑھتا جا رہا ہے۔ جیسے کوئی ہجر کا مارا محبوب کے فراق میں بس اسی کی یاد میں محو رہتا ہے اور وصال کی صورت میں اس کی یہ کیفیت نہیں ہوتی

ماضی قریب میں ہم دیکھتے ہیں کہ دیوبندی اور بریلوی کے الفاظ محض کسی کتاب میں یا علماء کے مخصوص حلقوں میں سنائی دیتے تھے۔ عوام تو ان الفاظ سے ناآشنا تھے اور جن حلقوں میں یہ الفاظ استعمال ہوتے تھے ان کی حیثیت بھی کچھ اس قسم کی تھی جیسے کسی نے علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی تو علیگ کہلایا، اسی طرح جس نے دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پائی اسے دیوبندی کہہ دیا جس نے بریلی کے مدرسہ سے سند حاصل کی اسے بریلوی کہہ دیا۔

جہاں تک علمی یا تعبیری اختلاف کا تعلق ہے وہ صرف علماء تک محدود تھا، مگر ان میں مخالفت یا دشمنی نہیں تھی اور دونوں مدارس کے علماء کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مثال کے طور پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جہاں علمائے دیوبند کے شیخ طریقت ہیں وہاں ان حضرات کے ہاں بھی اسی احترام سے دیکھے جاتے ہیں جن کو لوگ بریلوی سمجھتے ہیں مثلاً مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی ملاقاتیں باہمی مذاکرے، علمی صحبتیں، اخذ فیض اور اخذ نسبت کے واقعات کس سے مخفی ہیں، کہاں وہ باہمی محبت و مروّت کے مناظر، کہاں آج کی تُو تُو مَیں مَیں۔ تو اس عظیم تبدیلی کی وجہ قلتِ علم یا اتباع ھویٰ کے بغیر کوئی اور معلوم نہیں ہوتی، پھر سیاسی ذہن کے نام نہاد مذہبی پیشواؤں نے اس جذبے کی سرپرستی اس جذباتی طریقے سے کی کہ مخالفت بڑھتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ کشت و خون تک نوبت پہنچ گئی۔

اس ناروا تبدیلی کی ایک وجہ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم میں بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لا یزال الناس بخیر ما اتاھم العلم من قبل اکابرھم فاذا اتاھم من قبل اصاغرھم ھلکوا۔

(جامع بیان العلم ۲: ۳۲)

"یعنی جب تک لوگ متقدمین علماء کے علم سے اخذ فیض کرتے رہیں گے امن اور ترقی سے دوچار ہوں گے جب اصاغر یعنی نام نہاد علماء کا علم رائج ہوگا تو لوگ تباہ ہو جائیں گے"

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ "اصاغر سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین میں اپنی رائے لڑائیں"

علمائے ربّانی کے باہمی علمی یا تعبیری اختلاف کی مثال یوں سمجھیئے کہ سیشن کورٹ کسی مجرم کو سزائے موت سنا دیتی ہے۔ ہائی کورٹ میں اپیل ہوتی ہے تو اسے بری کر دیا جاتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ کیا دونوں عدالتوں میں مختلف قانون رائج ہیں یا مختلف ضابطہ فوجداری چلتا ہے۔ اگر ضابطہ اور قانون دونوں عدالتوں میں ایک ہی ہے تو اسے ایک ہی قانون کی مختلف تعبیروں کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایسے واقعات روزمرّہ دیکھنے میں آتے ہیں مگر اس اختلاف کی وجہ سے نہ تو سیشن جج کو دیس نکالا دیا جاتا ہے نہ ہائیکورٹ کے ججوں کو باغی یا غدار قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ دونوں کو فرض شناس قرار دے کر ہائی کورٹ کے فیصلہ پر عمل ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ وکیل اور جج میں جو فرق ہے اس سے ہر کہ و مہ واقف ہے یعنی وکیل زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا ہے کہ اس معاملہ کی قانونی صورت یہ ہے مگر وکیل فیصلہ نہیں سُنا سکتا یہ کام صرف جج کا ہے آج تک کسی وکیل نے یہ حرکت نہیں کی کہ اپنے کسی مؤکل کو خود ہی فیصلہ سُنا دے مگر ہماری بدنصیبی کا یہ عالم ہے کہ دین کے معاملے میں ہر لال بجھکڑ اپنے آپ کو مجتہد ہی سمجھتا ہے اور بڑی دلیری سے ہر اس شخص کے متعلق فتوےٰ دے دیتا ہے کہ تو کافر ہے جو اس کی رائے سے اختلاف کرتا ہے۔ سچ کہا کسی نے کہ؎ اگر نا اہل خاموش ہو جائیں تو جھگڑے ختم ہو جائیں۔

غرض اصول دین میں اتنا کامل اتفاق ایک طرف اور عملاً باہمی جانی دشمنی کا مظاہرہ دوسری طرف ایک معمہ ہے جو کسی طرح حل نہیں ہو سکتا۔ اس عظیم تضاد کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اگر حالات کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:-

دونوں طرف دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو انتہا پسند ہیں۔ ان میں تشدد کہیے یا تعصب یا ضد کچھ ایسی بیماریاں موجود ہیں۔ اور یہ ساری آگ انہی لوگوں کی لگائی ہوئی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اعتدال پسند وسیع الظرف اور تمام امور کے روشن پہلوؤں پر زیادہ توجہ دینے والے لوگ ہیں یہ طبقہ رحماء بینھم کے باقیات الصالحات کہلائے جا سکتے ہیں۔

یہ قدرتی بات ہے کہ خواہ تشدد اور تعصب ہی ہو اس کے لئے کوئی بنیاد ضروری ہے۔ چنانچہ ایک مسئلہ ایسا ہے کہ ہر دو جانب کے متشددین کو اس میں کھل کھیلنے کا وسیع میدان مل جاتا ہے۔ اور وہ مسئلہ ہے محبت رسولؐ کا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین او کما قال ------- محبت قلب کا فعل ہے اور قلب کی حالت وہ جانتا ہے جو علیم بذات الصدور ہے اور محبت ایک قوت ہے اور ہر قوت اظہار کا مطالبہ کرتی ہے لہٰذا محبت بھی ظاہر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتی۔ کبھی تو محبت میں ضبط اتنا ہوتا ہے کہ آدمی کہہ اٹھتا ہے۔ ؎

با چنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم
در جنوں از خود نہ رفتن کار ہر دیوانہ نیست

اور کبھی معاملہ ضبط سے گذر جاتا ہے مگر احتیاط پھر بھی رہتی ہے بقول شخصے ؎

ضبط کہتے ہیں اسے آئیں نہ لب تک نالے
چیر کر سینہ کو نکلیں تو نکل جانے دو،

اور کبھی احتیاط کا دامن بھی چھوٹ جاتا ہے۔ اور آدمی از خود رفتہ ہو کر وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ سرحد شروع ہو جاتی ہے جس پر نامناسب اور غیر موزوں کے الفاظ صادق آتے ہیں یہی وہ حالت ہے جس سے جعلی اور بناوٹی از خود رفتگی یا محبت کے اشتہار کے دل دادہ لوگ فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کو بھی بدنام کرتے ہیں جو واقعی معذور سمجھے جانے کے لائق ہیں۔

ان تینوں قسموں میں سے پہلی قسم کے لوگ اور نمونے کے لوگ وہی تھے جن کی تربیت خود محبوبؐ نے کی یہ لوگ محبّت کے سمندر پی گئے بلکہ بحرِ محبّت بن گئے مگر کوئی ہلکی سی موج بھی سطح پر نہ ابھرنے دی۔ بلکہ دردِ محبّت کے باوجود ان کی حالت یہ تھی کہ

ع دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

اور ظاہر ہے محبّت اور اظہارِ محبّت کا معیاری طریقہ یہی ہے بعد میں آنے والے لوگوں میں بھی ان جیسی نہ سہی مگر ان سے ملتی جلتی مثالیں ملتی ہیں

پھر ایسے لوگ آئے جو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی انتہائی کوشش کرتے رہے مگر ان جیسا دل گردہ کہاں سے لاتے ضبط میں انتہائی کوشش کے باوجود دامن چھوٹتا ہی رہا مگر پھر بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جوں جوں زمانہ نبوی سے بُعد ہوتا گیا وہ قوت کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ محبّت کی گہرائی کم ہوتے ہوتے بات صرف سطحی صورت تک پہنچ گئی اور اسی کا اہتمام ہونے لگا کہ سطح پر بلند ترین موجیں اٹھائی جائیں اور یہ کام اتنی اہمیت اختیار کرتا گیا کہ بحرِ محبّت کی گہرائیوں میں اترنے کا تصور بھی ذہن سے نکل گیا، اور وہ معذور لوگ جو اپنی کم ہمتی کی وجہ سے واقعی معذور تھے وہ بھی جعلی اور بناوٹی خیال کیے جانے لگے۔

ان حالات میں انتہا پسندوں کی بن آئی۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کو خوب تاڑنا اور رگیدنا شروع کر دیا، دیوبندیوں میں جو لوگ متشدد انتہا پسند یا متعصب بھی سامنے آئے کہ انہوں نے اپنے اساتذہ اور اکابر کو بھی مشرک کہنے سے دریغ نہ کیا اور اکابر دیوبند نے ہزار جتن کیے کہ وہ کسی طرح معتدل روش اختیار کریں مگر ان کی ایک نہ چلی وہ برابر اسی ڈگر پر چلے جا رہے ہیں۔

دوسری طرف بریلوی حضرات کے متشددین نے اپنے مقابل کے متشددین کو سامنے رکھ کر تمام دیوبندیوں کو گستاخِ رسولؐ اور وہابی کہنا شروع کیا، مگر پھر بھی لفظِ مشرک کے جواب میں یہ الفاظ پھر بھی نرم تھے اس لئے انتقام کا حق ادا نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا انہیں کافر کہہ کر جوابی کارروائی شروع کی۔ عوام کی طبائع چونکہ ہنگامہ پسند واقع ہوئی ہیں گرما گرمی کی شیدا ہوتی ہیں لہٰذا دونوں طرف سے عوام نے ان انتہا پسندوں کی قوت میں اضافہ کیا اور یہ خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

اگر آپ ان حضرات کے شور و شغب سے علیحدہ ہو کر دونوں طرف کے اعتدال پسندوں کی کوششوں کا جائزہ لیں تو آپ یہ تسلیم کرنے میں کوئی دقت نہ محسوس کریں گے کہ ان میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں، چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) مسئلہ مولود شریف:

"ہر گاہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور ہر فریق کے پاس دلائل شرعی بھی ہیں گو قوت و ضعف کا فرق ہو جیسا اکثر مسائل اختلافیہ میں ہوا کرتا ہے پس خواص کو تو چاہیئے کہ جو ان کی تحقیق ہوا ہو اس پر عمل رکھیں اور دوسرے فریق کے ساتھ بغض اور کینہ نہ رکھیں نہ نفرت و تحقیر کی نگاہ سے اس کو دیکھیں نہ تفسیق و تذلیل کریں بلکہ اس اختلاف کو مثل اختلاف حنفی و شافعی کے سمجھیں

اور باہم ملاقات و مکاتبت و سلام و موافقت و محبت کی رسوم جاری رکھیں اور تردید و مباحثہ سے خصوصاً بازاریوں کی ہذیانات سے کہ متعصب اہل علم کے خلاف ہے پرہیز رکھیں بلکہ ایسے مسائل میں نہ فتوے لکھیں نہ مہر و دستخط کریں کہ فضول ہے اور ایک دوسرے کی رعایت رکھیں۔ .....“

(حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

(۲) مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصال ثواب کرتا ہوں ، اول قرآن خوانی ہوتی ہے ، اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے اور زوائد امور فقیر کی عادت نہیں نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا نہ خالی نہ بآلات ، مگر دل سے اہل حال پر کبھی اعتراض نہ کیا ، ہاں جو محض ریاکار و مدعی ہو وہ برا ہے مگر تعیین اس کی کہ فلاں شخص ریاکار ہے بلا حجت شرعیہ نادرست ہے۔ اس میں بھی عمل درآمد فریقین کا یہی ہونا چاہیئے۔“ (ایضاً)

(۳) ندا ـــــ ندا سے مقاصد و اغراض مختلف ہوتے ہیں کبھی محض اظہار شوق کبھی تحسر کبھی منادی کو سنانا کبھی اس کو پیغام پہنچانا ، سو مخلوق غائب کو پکارنا ، اگر محض تذکرہ اور شوق وصال اور حسرت و فراق کے لئے ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دیا کرتے ہیں اس میں تو کوئی گناہ نہیں ..... ایسی ندا صحابہؓ سے بکثرت روایات میں منقول ہے ، کما لا تخفی علی المتبحر المتقع النظر .... اگر مخاطب کا اسماع و سنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ باطن سے منادی کا مشاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز ہے اور اگر مشاہدہ نہیں کرتا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر پہنچ جائے گی اور وہ ذریعہ ثابت بالدلیل ہو تب بھی جائز ہے مثلاً ملائکہ کا درود شریف حضور اقدسؐ میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے کچھ مضائقہ نہیں اور اگر نہ مشہود ہو نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو نہ پیغام پہنچانے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود ہو وہ ندا ممنوع ہے۔“ (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

آخر میں حضرت حاجی صاحب کی وصیت درج کی جاتی ہے۔

”اس تمام تحقیق کے بعد بھی فقیر کی یہ وصیت ہے کہ ظنیات میں اپنے علم و تحقیق پر وثوق نہ کریں ، سورۂ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم بہت خشوع سے پڑھا کریں اور ہر نماز کے بعد ربنا لا تزغ قلوبنا الخ پڑھ کر دعا کیا کریں اور اپنے اوقات معاش و معاد کے ضروری کاموں میں خصوصاً تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن صرف کریں اور اہل اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں۔“

دوسری طرف حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے چند ملفوظات پیش خدمت ہیں۔

(۱) مزامیر ـــــ در ایام عرس شخصے حاضر آمد کہ نزدش چنگ بود و بزرگ زادہ کہ حضرت را رعایتش منظور بود آں مطرب را اشارہ کرد حضرت آنرا منع فرمودند کہ اگر رضائے ما خواہی ہرگز بر ایں امر راضی نیم زیراکہ وطیرہ مرضیہ مرشد خویش.

خواجہ شمس الدین سیالوی ہر گز نہ گزاریم وایشاں ایں کار نہ کردہ اند (ملفوظات طیبہ)

(۲) سوال: آیا بالیدن رخسارہ وسجدہ در پیش مزارات و طواف حوالیٔ ایشاں جائز است یا نہ؟

فرمودند ظاہر شرع مجید ایں امور نیست و مانچہ طور فتوی دہم آں شخص عرض کرد شنیدیم کہ از خواجہ سیالوی اجازت ایشاں ثابت است، فرمودند ایشاں پیر و مرشد ما بود از حال شمس سیالوی بہ نسبت شما مردماں زیادہ واقف ہستم و باید دانست کہ ہر چہ حق تعالیٰ فرمودہ است رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمودہ از برائے ما شرع است و برروئے اعتقاد محکم باید داشت (ایضاً)

(۳) ذکر جہر: اگر مطابق قواعد کہ مشائخ بیان فرمودہ اند ذکر کردہ مؤثر مے باشد والا محض جہر آب در غربال است۔ (ایضاً)

(۴) ایک مسئلہ سماع بہ آلات کا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بذات خود اس امر سے نہایت "تنگ دل ہوتا ہوں (ملفوظات)

(۵) شوقیہ اشعار کا تخلیہ میں مطالعہ کرنا مزامیر وغیرہ کے سماع سے بہتر ہے۔ (ایضاً)

(۶) عمدہ ترین مسلک اور پسندیدہ ترین مشرب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (ایضاً)

(۷) ایک شخص نے عرض کیا جہاں درود شریف پڑھا جائے کیا وہاں روح محمدی تشریف فرما ہوتی ہے حضور قدس سرہٗ نے فرمایا روح مبارک کا تشریف لانا اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ جیسے سورج اپنی جگہ پر قائم ہے لیکن اس کی روشنی ہر جگہ موجود ہے روحانی سفر میں قرب و بعد عنصری نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

(۸) ایک روز ایک شخص نے نماز عصر کے بعد مولود خوانی شروع کی آپ سنتے رہے تھوڑی دیر بعد اس نے راگ کی طرز پر مولود خوانی شروع کی اس پر آپ نے اس کو روک دیا اور فرمایا ہے تو یہ بھی مولود شریف مگر چونکہ راگ کی طرز پر ہے اس لئے خلاف شان مسجد ہے۔ (ایضاً)

(۹) حب عباد اللہ الصالحین اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے لیکن اس میں بھی تجاوز کیا جائے جیسے ان صلحاء کو معبود بنا لیا جائے یا ان کو متصرف مستقل سمجھا جائے یا شریک فی التصرف اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ان کی شرکت کے انتظام عالم نہیں کر سکتا تو یہی حب موجب شرک ہو جائے گی اور وہی محب، مشرک ناقابل مغفرت ہو جائے گا لہذا انسان کو کبھی اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑنا چاہیئے حب اہل بیت و حب عباد اللہ الصالحین صاحب اعتدال کے لئے نہایت مفید و موجب کمال ہے۔ مگر ان میں افراد و تفریط وغلو کرنے والے گمراہی اور ضلالت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ (مہر منیر ۵۶۵)

(۱۰) ایک اور مسئلہ جس کو طریقین کے تشدد پسند حضرات بنائے فساد بنائے بیٹھے ہیں کس خوش اسلوبی سے بیان فرمایا ہے۔

محمد رسا! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آں حضرت بطریق تکریم واجب اور ضروری ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی بحسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت ہمیری ناقص رائے میں لفظ بشر

مفہوماً و مصداقاً متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس وناکس سوائے اہلِ تحقیق اور عرفاں کے رسائی نہیں رکھتا لہٰذا لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔ (مہر منیر ۴۵۴)

یہ ایک حقیقت ہے کہ عام آدمی جب بشر کا لفظ بولتا ہے تو اس کی نگاہ اپنی ذات پر پڑتی ہے۔ اور خلقت کے اعتبار سے اس کے بشر ہونے کا کون انکار کر سکتا ہے۔ مگر جب اپنے اوصاف کو دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں بشر کا وہ مفہوم کیسے آسکتا ہے جو متضمن بہ کمال ہے لہٰذا اصل اختلاف لفظ بشر کے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اس مفہوم کی وجہ سے ہوتا ہے جو دونوں کے ذہنوں میں جدا جدا ہے۔ اگر دونوں کی ذہنی سطح یکساں ہو تو اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت گولڑوی کا ایک ملفوظ اور آپ کا مسلک

"فرمایا اہلِ اسلام کی تکفیر میں بلا وجہ زبان نہ کھولنی چاہیئے یہ بہت ہی ناپسندیدہ امر ہے کیونکہ کفر آخری حد کا نام ہے کہ اس کے بعد کوئی مقام خدا سے دوری کا نہیں ہوتا، لہٰذا تکفیر کا فتوے دینے میں کافی تامل کرنا چاہیئے۔ (ملفوظات مہریہ)

آپ کا مسلک: مترجم کہتا ہے اس بارے میں حضرت قدس سرہٗ کا مسلک نہایت محتاط رہا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے چند ملفوظات بطور مثال کے پیش کئے گئے۔ یہ اجمالی بیان دو اشخاص کے خیالات نہیں بلکہ یہ دونوں جماعتوں کے اعتدال پسند طبقہ کی نمائندگی کر رہے ہیں اس لئے یہ یقین کر لینے میں کوئی چیز مانع نہیں کہ اگر غلو، انتہا پسندی اور تشدد کی روش اختیار نہ کی جائے تو دیوبندی اور بریلوی مسلک میں کوئی فرق نہیں۔

یہ امر پیشِ نظر رہے کہ ان حضرات کی یہ ذاتی رائے نہیں بلکہ قرآن و سنّت سے جس معتدل رویہ کا نشان ملتا ہے ان حضرات نے وہی روش اختیار کی ہے۔ قرآن کریم نے اس امت کو امۃً وسطاً قرار دیا ہے کہ یہودی و نصاریٰ اور دوسری گم کردہ راہ اقوام کی طرح یہ امت افراط و تفریط کا شکار نہیں ہو سکتی بلکہ اسے ہمیشہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہونا چاہیئے۔ ان حضرات کے سامنے یہ حقیقت موجود تھی کہ فلا و ربک لا یؤمنون الخ۔ یعنی حضور اکرمؐ کے احکام کے متعلق دل کی گہرائیوں میں بھی ناپسندیدگی کا نشان نہ ملے۔ اور یہ صورت صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب مومن کے دل میں انتہائی درجے کی محبت کا جذبہ موجود ہو۔ پھر صاف حکم کہ تعزروہ و توقروہ اس بات کا متقاضی ہے کہ حضورؐ سے محبت کرنا ایک اہم فریضہ ہے۔

دوسری طرف حضورؐ کا یہ انتباہ کہ میرے ساتھ محبت کے معاملے میں نصاریٰ کی طرح غلو کا شکار نہ ہو جانا۔ دراصل اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ راہِ اعتدال پر قائم رہنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات ہر بات میں حضورؐ کا اسوہ اور حضورؐ کے اقوال و ارشادات کو سامنے رکھا جائے اور اس راہ سے

ہٹنے کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ انسان اپنی پسند کو دخل دینے لگے اور حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے میں من پسند اضافے یا کمی کرنے لگے، حضورؐ نے اس خطرے سے آگاہ ہی نہیں فرمایا بلکہ اس سے بچنے کی تاکید فرمائی مثلاً :-

(۱) اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی بدعت کو ترک نہ کردے۔ (ابن ماجہ)

(۲) جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی اس نے اسلام کے مٹانے میں اس کی مدد اور اعانت کی۔ (مشکوٰۃ)

(۳) بدعتی اسے کہتے ہیں جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱ : ۴۱)

پھر ان حضرات کے سامنے علمائے ربانی کی مثال بھی موجود تھی جو نہ صرف اسی اعتدال کی راہ پر چلتے رہے بلکہ انہوں نے ایک دنیا کو اس پر چلایا مثلاً حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرمؐ کی پیروی کرتے ہوئے اس خطرے سے بچنے کی بار بار تاکید فرمائی۔ مثلاً"

(۱) ہر بدعت سنت کو دور کرنے والی ہے خواہ حسنہ ہو یا سیئہ (مکتوبات امام ربانی ۱ : ۱۸۶)

(۲) سنت اور بدعت دونوں پوری طرح دوسری کی ضد ہیں ایک کی بقا دوسری کی فنا کو لازم ہے (ایضاً ۱ : ۲۵۵)

(۳) بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے خدائے تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ بدعت کو حسنہ کہنے کی جرأت نہ کریں۔

(۴) احکام شرعی کی بجا آوری نفس پر سب باتوں سے زیادہ دشوار ہے سنت کی تقلید کے علاوہ عبادتیں معتبر نہیں۔ (ایضاً ۱ : ۲۲۱)

(۵) اگر کوئی بات سنت اور بدعت کے درمیان پڑتی ہو تو اسے سنت سمجھ کے پورا کرنے کی نسبت بدعت سمجھ کر ترک کر دینا بہتر ہے۔ (ایضاً ۱ : ۳۱۴)

(۶) میں نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ دین میں جو نئی چیز پیدا کی گئی ہو، جو بدعت کھڑی کی گئی ہو جو حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں دین میں نہیں تھی اگرچہ وہ روز روشن کی طرح چمک دار ہو اس عاجز کو اس پر عمل کرنے سے بچائے اور حضور سید المرسلینؐ کے صدقے مجھے اس کے ظاہری حسن پر فریفتہ ہونے سے بچائے۔ (ایضاً ۳ : ۱۸۶)

(۷) چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند (ایضاً ۳ : ۷۲)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا

"جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی جس کو وہ حسنہ سمجھتا ہے تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی رسالت میں خیانت کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔

(کتاب الاعتصام شاطبی ۱ : ۴۷)

اسی آیت کے متعلق امام ربانی فرماتے ہیں

دین کا کمال ان بدعات سے تلاش کرنا درحقیقت اس آیہ کریمہ (الیوم اکملت الخ) کے مضمون سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ (مکتوبات ۴: ۲۶۰)

معلوم ہوتا ہے کہ دیوبندی اور بریلوی مکتب فکر کے اعتدال پسند حضرات نے قرآن و سنت کی تعلیمات اور سلف صالحین کی روش کو سامنے رکھ کر راہ اعتدال پر چلنا پسند کیا ہے متشددین اور انتہا پسند لوگ تو انہیں معذور سمجھنا چاہیئے اور ان کے قول و فعل کو حجت نہیں قرار دینا چاہیئے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دیوبندی اور بریلوی حضرات میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں، اجزائے ایمان میں دونوں متحد ہیں اعمال صالحہ میں دونوں متفق ہیں صرف ایک جذبہ جس کا تعلق قلب سے ہے بس اس کی تعبیر اور اس کے اظہار کے طریقہ میں ذرا سا اختلاف مگر وہ بھی افتاد طبع کی بنا پر ہے اور وہ ایسا بھی نہیں کہ اختلاف اختلاف نہیں رہے بلکہ مخالفت اور دشمنی کی شکل اختیار کر لے، بہرحال جو صورت حال اس وقت سامنے آرہی ہے اور جس کی شدت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اس کی جڑوں کا کھوج لگانے کے لئے علمی تحقیق شاید کوئی خاص کام نہ دے کیونکہ اس کی وجہ علمی نہیں بلکہ قلبی سرد مہری ہے اور اس کا علاج مقلب القلوب کے پاس ہی ہے۔

یہ سوال بھی کوئی کم اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ کیا ہے اور یہ قلبی سرد مہری کیوں ہے لیکن اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اس اختلاف کے اثرات ملت پر اور خود اسلام پر کس نوعیت کے ہیں۔

ملت کی اس بدنصیبی کا جائزہ لینے کے لئے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں:-

(۱) فریقین کے اکابر علماء اور سربرآوردہ حضرات کی علمی اور عملی صلاحیتیں بس اسی میں کھپ رہی ہیں کہ کس طرح فریق ثانی کو استدلال کے میدان میں تماٹرا جائے اور عملی زندگی میں کیونکر ان کی تحقیر و تذلیل کی جائے حالانکہ ان حضرات کی یہ صلاحیتیں تعمیری اور اصلاحی کاموں میں صرف ہوتیں تو حالات ہی بدل جاتے ہیں۔

(۲) فریقین کے لیڈروں کی ساری توجہ اس وقت ایک ایجی ٹیشن سٹنٹ کی صورت میں اسے استعمال کرنے پر صرف ہو رہی ہے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے کہ الامان والحفیظ، حالانکہ دین کو اس طرح ایکسپلائٹ کرنے سے خسر الدنیا والآخرہ کا قوی امکان ہے۔

(۳) عوام کے جذبات کو ابھار کر شرافت سے بے نیاز ہو کر دھاندلی کے لئے عملاً تیار کیا جا رہا ہے اور حضورؐ کی حدیث المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ گویا ذخیرہ احادیث سے کھرچ دی گئی ہے۔

(۴) اسلام دشمن قوتیں ملک کے اندر اور باہر منظم ہو کر جلتی پر تیل نہیں بلکہ پٹرول کا فریضہ انجام دینے میں کوشاں ہیں۔

(۵) منافق قسم کے مسلمان اسلام کو ہدف ملامت بنانے کے لئے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں انہیں موقع مل گیا کہ

وہ علماء کو سامنے رکھ کر دین کو ناقص بیکار اور ناقابلِ عمل ثابت کرنے میں آسانی محسوس کرنے لگے ہیں۔ اس لئے خطرہ ہے کہ مستقبل قریب میں کہ ساری فضا اس گونج سے بھر جائے کہ :۔

ع۔ ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

اس لئے فریقین کے علماء سے بالخصوص لیڈروں اور عوام سے بالعموم بڑے ادب سے گذارش ہے کہ ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لیں اپنے رویّے پر نظرِ ثانی کریں آخرت کی فکر کریں قوم اور اسلام پر رحم کریں ورنہ اندیشہ ہے کہ سقوطِ بغداد کا منظر نہ دیکھنا پڑے۔

سوال: جہاں درود و سلام پڑھا جاتا ہے وہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں تو لوگ احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کچھ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور ناجائز بتاتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب:۔ آنکھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کریں اور جسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے لئے نہ اُٹھے تو اس سے بڑی بدبختی کیا ہو سکتی ہے؟ یہ صورت پیش آئے اور کوئی تعظیم کرنے سے روکے تو اس سے بڑھ کر سنگدلی کا تصوّر بھی بھلا کیا جا سکتا ہے؟ لیکن درود شریف پڑھنے والے کے سامنے حضور کا تشریف لانا اگر شریعت کی بات ہو تو لازماً فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوگا اور اگر محض محبت کا معاملہ ہو تو محبت میں مشورہ نہیں ہوا کرتا بلکہ محبوب کی پسند اور محبوب کا حکم پیشِ نظر ہوتا ہے۔

اس صورت مسئلہ میں کئی امور قابلِ غور ہیں۔

(۱) پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کو درود و سلام پڑھنے کا موقع یقیناً ملتا ہوگا، کیا آپ نے کبھی حضور کو اس محفل میں تشریف لاتے دیکھا ہے؟ اگر کبھی نہیں دیکھا بلکہ کہنے والوں کی اطلاع پر اعتماد کیا تو کیا آپ نے کبھی کسی کہنے والے سے پوچھا بھی ہے کہ صاحب! آپ نے حضور کی تشریف آوری کا منظر دیکھا ہے اور حضور کی زیارت کی ہے؟ اگر آپ کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا تو آپ کس بنا پر فرماتے ہیں کہ اس محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں۔

(۲) اگر حضور کی زیارت سر کی آنکھوں سے ہوتی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ سب کو نظر نہیں آتے۔ ایسی محفل میں کوئی سارے اہلِ محفل نابینا تو نہیں ہوتے۔ آنکھ میں بینائی ہو اور حضور نظر نہ آئیں یہ بات کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے؟

(۳) اگر سر کی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں ہوتا بلکہ قلب کی آنکھ سے کشفی طور پر مشاہدہ ہوتا ہے تو کیا ایسی محفلوں میں سب اہلِ کشف ہی بیٹھے ہوتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا کسی نے کسی اہلِ کشف سے اس تشریف آوری کی کیفیت بھی پوچھی ہے؟

(۴) نماز میں ہر شخص درود و سلام پڑھتا ہے اور درود و سلام پڑھتا ہے اور درود بھی وہ جسے درود ابراہیمی کہتے ہیں اور جس کی فضیلت کسی سے مخفی نہیں مگر کسی نے نہ تو حضور کو تشریف لاتے دیکھا اور نہ کوئی احتراماً کھڑا ہوا مگر سب بیٹھے ہی رہتے ہیں۔

(۵) چلیے مجھ جیسا گنہگار اس قابل نہ سہی کہ نماز میں درود ابراہیمی عمر بھر پڑھتا رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی زیارت ہو جائے مگر بڑے بڑے صلحاء و علماء کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا سب کو بیٹھے رہتے ہی دیکھا ، کیا ایسے جمعوں میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ دیکھے اور اگر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں تو وہ احتراماً کھڑے کیوں نہیں ہوتے ؟

(۶) اور نمازوں میں تو سلام پھیرنے کے چند لمحوں بعد لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں خواہ سنتیں پڑھنے کے لئے ہی کھڑے ہوں مگر عیدین کی نمازوں میں درود شریف کے بعد نماز سے فارغ ہو کر خطبہ سننے کے لئے جم کے بیٹھے رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے ؟

(۷) یہ معمہ بھی حل طلب ہے کہ نماز میں درود و سلام پڑھا جائے تو حضورؐ نہ تشریف لائیں نہ کسی کو زیارت نصیب ہو مگر نماز کے علاوہ درود و سلام پڑھا جائے تو حضورؐ محفل میں تشریف بھی لائیں اور لوگوں کو زیارت بھی ہو نماز سے بڑھ کر بابرکت محفل بھی کوئی ہو سکتی ہے ۔

(۸) روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت ہر سال لاکھوں آدمی مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں ، اور وہاں "آنے" کا مسئلہ تو سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا حضورؐ وہاں موجود ہوتے ہیں مگر زائرین کو کیا حضورؐ کی زیارت وہاں ہوتی ہے ؟ اگر وہاں نہیں تو یہاں کیسے ہو جاتی ہے ۔

(۹) نماز کا ہر رکن اور ہر رکن میں مقررہ الفاظ شریعت میں پسندیدہ ترین اور افضل ترین صورت ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز میں درود و سلام کے لئے قیام افضل ہو ۔ اگر شریعت نے روضۂ اطہر کی حاضری کے علاوہ قیام کی حالت میں ہی افضل قرار دیا ہو تو سر آنکھوں پر ۔ اگر فقہ کی کسی کتاب میں یہ حکم موجود ہو تو ضرور ایسا کرنا چاہیئے ، مگر مجتہد بننے کی جرأت کرنا جرأت رندانہ کے سوا کچھ نہیں ۔

زمانہ حال کے ایک مشہور صوفی اور جید عالم حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے اس معمے کا حل فرمایا ہے :

"ایک شخص نے عرض کیا جہاں درود شریف پڑھا جائے کیا وہاں روح محمدیؐ تشریف فرما ہوتی ہے ۔ حضور قدس سرہ نے فرمایا کہ روح مبارک کا تشریف لانا اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ جیسے سورج اپنی جگہ پر قائم ہے لیکن اس کی روشنی ہر جگہ موجود ہے روحانی سفر میں قرب و بعد عنصری نہیں ہوتا "

(ملفوظات مہریہ ملفوظ ۱۶۷)

اس کا جواب میں علم ظاہری کے ساتھ نور باطن کا امتزاج پایا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) آپ نے حضورؐ کی موجودگی کے لیے سورج کی تشبیہ استعمال کی ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ سورج نہ کسی کے گھر آتا ہے نہ کسی محفل میں اس کی آمد ہوتی ہے بلکہ اپنی جگہ پر موجود رہتا ہے اور ہر طرف ضیا پاشی کر رہا ہے ۔ اسی طرح حضورؐ اکرم اپنے مرکز پر قیام فرما ہوتے ہیں اور آپ کے انوار چار دانگ عالم میں پھیل جاتے ہیں ، محاورہ میں کہا جاتا ہے "کہ قطب از جا نجنبد" اگر یہ بات تصوف کی زبان میں کی جائے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ کے سامنے قطب کی کیا حیثیت ہے جب قطب اپنی جگہ نہیں چھوڑتا تو حضورؐ اپنا مرکز کب چھوڑتے ہیں ۔

بلکہ قلب کے پُرسکون سمندر میں یہ ہیجان اور شور اُٹھتا ہے تو ہجر و فراق کے دنوں میں آزادی ملنے کے بعد اپنے یہاں بھی کچھ اسی قسم کا نقشہ نظر آتا ہے۔ یہ ہر جگہ ہر کوچے ہر موڑ پر آنا فاناً انگلش میڈیم سکولوں کی برسات میں مینڈکوں کی طرح نمودار ہو جانا اس کی بین دلیل ہے مگر چونکہ عشاق کو معذور سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ آزاد غلام بھی معذور تصور کیے جائیں گے

بہر حال چودھویں صدی کے خاتمے اور پندرھویں صدی کے آغاز کے ساتھ ایک نئی آواز یہ اُٹھی ہے کہ پندرھویں صدی مسلمانوں کی صدی ہے چلیئے اچھی بات ہوئی ذہنوں میں یہی بات بس جائے تو اچھا شگون ہے مگر ابھی سے اس کے ساتھ ایک لفظ اور بھی بڑھا دیا جائے کہ پندرھویں صدی "اسلام" اور مسلمانوں کی صدی ہے تو اور اچھی بات ہو گی۔ ممکن ہے اس طرح مسلمانوں کو اپنی اصل یعنی اسلام کے ساتھ کوئی عملی وابستگی کی صورت بن جائے اسلام سے آزاد ہو کر مسلمان کے لیے ترقی کا لفظ ہی بے معنی ہے۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر "آزاد" ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

بلکہ اکبر الہ آبادی نے تو اس کا فیصلہ ہی کر دیا ہے

ترقی خواہ ہے تو صحن مسجد چھوڑ اے اکبر
کہا میں نے "ترقی" ہے تو خود پہنچے گی مسجد تک

اس میں شک نہیں کہ شاعر نہ مفتی ہوتا ہے نہ جج مگر حقیقت سلیقے سے شعر کی زبان میں بیان کی جائے اسے محض اس وجہ سے ٹھکرا دینا کہ شاعروں کی بات ہے یہ بھی انصاف سے بعید ہے۔

چودھویں صدی کو الوداع کہنے اور پندرھویں صدی کا استقبال کرنے کی تقریبات کا اہتمام ہو رہا ہے۔ اچھی بات ہے مگر یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ قوم کو نمائش اور نعروں کے ذریعے اتنا بھلایا جا چکا ہے کہ قوم کے ساتھ اس سے زیادہ ستم ظریفی مناسب نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کے ذہنوں میں حقائق حیات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی عادت ڈالی جائے سوچ کا صحیح تعمیری اور اصلاحی انداز یہ ہے کہ ماضی پر پورے غور و فکر کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے ماضی کی غفلتوں، لغزشوں یا بے راہروی کی صورتیں کرید کرید کے تلاش کی جائیں۔ پھر ان کے اسباب کا کھوج لگایا جائے پھر اس کی اصلاح کی تدابیر سوچی جائیں اور صحیح بنیادوں پر مستقبل کی تعمیر کی جائے۔

اس سلسلے میں یہ سارا عمل ایک خالص مسلمان کے نقطہ نظر سے کیا جائے۔ اس کائنات میں مسلمان کا موقف اور منصب یہ ہے کہ اس کے کندھوں پر ذمہ داریوں کا ایک ایسا بوجھ ہے جو اس نے اپنی آزاد مرضی سے خود

(۲) جہاں درود شریف پڑھا جائے وہاں حضورؐ کے انوار و برکات نہایت تیزی اور شدت کے ساتھ پہنچتے ہیں جن کا مشاہدہ اہل کشف اولیائے کرام کو واضح طور پر ہو جاتا ہے۔

(۳) سورج کی تشبیہ میں ایک اور نکتہ بھی پایا جاتا ہے یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کرۂ ارض کے ایک حصہ میں دن ہوتا ہے سورج کی روشنی پہنچ رہی ہوتی ہے مگر دوسرے حصے میں رات ہوتی ہے اور وہاں اندھیرا چھایا رہتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ زمین کے جس حصے کا رُخ سورج کی طرف ہو وہاں نظر بھی آتا ہے اور روشنی بھی ہوتی ہے اور جس کا رُخ سورج سے پھرا ہوا یا یوں کہئے کہ جس حصے کی پیٹھ سورج کی طرف ہو وہاں اندھیرا ہوتا ہے سورج کی موجودگی کے باوجود سورج کے نظارے اور اس کی روشنی سے محروم رہتا ہے۔

(۴) جن محفلوں کے متعلق سوال پوچھا گیا ہے وہاں درود و سلام پڑھا نہیں جاتا بلکہ گایا جاتا ہے۔ موسیقی یا راگ سے حضورؐ کی دلچسپی یا اسے پسندیدہ سمجھنے کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے درود و سلام کو بھیرویں یا مال کونس کی طرز پر پڑھنے سے اندیشہ ہے کہ کہیں حضورؐ کی اس وعید کا نشانہ بن جائے کہ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔

لفظ رد کے معنی پھرنا ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں راگ شروع ہوا حضور اکرمؐ سے رُخ پھر گیا۔ جب سورج کی طرف پیٹھ ہو گئی تو اس کی روشنی وہاں کیسے پہنچے۔

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ جو کام خواہ عبادت مروجہ ہو یا غیر عبادت حضور اکرمؐ کی سنت کے مطابق کیا جائے۔ تو وہاں حضورؐ کے انوار پہنچتے ہیں اور جو کام سنت کو بالائے طاق رکھ کر محض اپنی خواہش کے مطابق کیا جائے وہاں ظلمت ہی ظلمت ہوتی ہے۔ خواہ وہ کام بظاہر عبادت کا کام ہو۔ ع

بحق دل بند راہ مصطفےٰ گیر

ادارہ

معارف

دو مسلمان مفکر انسانیت کے سیاسی اور معاشی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک صاحب نے ایک نظریہ پیش کیا دوسرے نے سند کا مطالبہ کیا۔ پہلے صاحب جو صاحب خانہ تھے اُٹھ کر اندر گئے اور ایک ضخیم کتاب لے کر باہر آ گئے۔ دوسرے صاحب نے خیال کیا شاید کسی ماہرِ فن کی کوئی مستند تصنیف لائے ہیں۔ کتاب کھولی تو دیکھا کہ قرآن حکیم کا ایک نسخہ ہے کہنے لگے ڈاکٹر صاحب! میرا خیال تھا کہ آپ کسی ماہر فن کا قول اتھارٹی کے طور پر پیش کریں گے آپ تو مذہبی کتاب اُٹھا لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا یہ کتاب تو تمام علوم پر اتھارٹی ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ ؎

اندر دو تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ دو مفکر مسلمان ہیں مگر دونوں کی سوچ کا انداز کتنا مختلف ہے ایک صاحب تو قرآن حکیم کو مذہبی عقائد و رسوم کا بس ایک ذخیرہ سمجھتے ہیں اور دوسرے صاحب اسے علوم و معارف کا خزانہ سمجھتے ہیں بلکہ علوم و معارف کی تحصیل کے لئے اس کتاب کو سب سے بڑا محرک شمار کرتے ہیں۔

اس تضاد کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ علم کی تعریف کیا ہے۔ عام طور پر علم کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ”وہ ایک ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے حقائق اشیاء کو دریافت کیا جاتا ہے“ کشفِ حقائق کے سلسلے میں جو چیز حجاب بن جاتی ہے اس کے لئے ایک جامع لفظ ”توہم پرستی“ ہے اس بیماری کے اثرات ہمہ پہلو ہیں سب سے بڑی افتاد یہ پڑتی ہے کہ ذہن کا مذاق بگڑ جاتا ہے۔ حق اور ہدایت جیسی شیریں غذا کڑوی محسوس ہونے لگتی ہے اور انسان حقائق کی طرف بڑھنے کی جگہ طرح طرح کی علمی اور عملی توہمات میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ توہم پرستی کی پہلی زد توحید پر پڑتی ہے۔ اور انسان اپنی عقیدت کے رشتے خالق کی بجائے مخلوق سے جوڑنے لگتا ہے۔ اور ذہنی پستی کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ فانی مخلوق کے سامنے پیشانی رکھ دینے میں اسے عار تک محسوس نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم نے اس بیماری کی تشخیص اور اس کا علاج خوب تجویز کیا ہے۔ سورۃ النحل میں آیت نمبر ۵۱ سے لیکر آیت نمبر ۵۸ تک یہ مضمون پھیلا ہوا ہے اس میں بیان کیا گیا کہ :-

(۱) زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا مالک وہی ہے جس نے اسے پیدا کیا، پھر یہ لوگ غیروں پر تکیہ لگائے کیوں بیٹھے ہیں۔

(۲) ان کی زندگی کی تمام ضروریات اسی نے پیدا کی ہیں تو اصل مالک کو چھوڑ کر دہ لوگ در در دھکے کیوں کھا رہے ہیں۔

(۳) اس بیماری کی وجہ سے ان کا مذاق ایسا بگڑا ہے کہ مفید اور مضر میں تمیز نہیں رہی۔

(۴) ہمارے نمائندے انبیاء ان کی ہدایت کے لئے آتے رہے مگر یہ لوگ اپنے ان محسنوں کو دشمن سمجھتے رہے

(۵) کیا یہ لوگ اپنے روزمرہ کے مشاہدے سے سبق حاصل نہیں کرتے ذرا ان مویشیوں کو دیکھیں ان کے پیٹ میں خون اور گوبر بھرا ہوتا ہے مگر اسی میں سے ہم لذیذ اور خوشگوار دودھ کی نہریں جاری کر دیتے ہیں۔ کیا مخلوق میں سے کوئی ہستی یا کوئی طاقت یہ کرشمہ دکھا سکتی ہے۔

(۶) تمہاری جنسی اور تمدنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس نے تمہاری جنس میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اسی سے کنبے خاندان اور معاشرہ قائم کیا۔

(۷) ایک مثال پر غور کرو کہ ایک غلام ہو جو کوئی اختیار نہیں رکھتا دوسرا وہ ہے جو ہر جاندار کی زندگی کی ضرورتیں ہر حال میں بے مزد تقسیم کرتا ہے۔ ذرا سوچو تو سہی ان دونوں میں کیا فرق ہے

(۸) تم پیدا ہوئے تو تمہیں اپنی سدھ بدھ نہ تھی۔ خالق نے تمہیں دانا بینا انسان بنا دیا، تمہیں سوچنے سمجھنے کے لئے دل و دماغ دیا۔ اس کے دیئے ہوئے اس اسلحہ کو ایسی جگہ استعمال کرتے ہو کہ خالق سے دوری بڑھتی ہی جائے۔

(۹) یاد رکھو دینے والے نے جو کچھ دیا ہے تمہارے پاس بطور امانت ہے اور تمہارا امتحان ہے ایک روز اس کے متعلق باز پرس ضرور کرے گا اور عقلِ سلیم کا تقاضا بالکل یہی ہے۔

اور وہ وقت ایسے لوگوں کے لئے بڑی مصیبت کا دن ہوگا جو اصل مالک سے بے وفائی اور بدعہدی کر کے محتاج اور فانی سہاروں پر آس لگائے زندگی بسر کرتے رہے۔

انسان جب توہم پرستی کی دلدل سے نکل کر توحید سے آشنا ہو جاتا ہے اور اسے معرفتِ باری نصیب ہوتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب حقائق کی دریافت کی ترغیب دیتی ہے اور اس کی ایک ایک آیت علمی تحقیقات کی محرک ثابت ہوتی ہے۔

امام رازی نے اپنی مشہور تفسیر کی تیسری جلد میں آیت ع ۱۹۰ کے تحت لکھا ہے۔ اعلم ان المقصود من ھذا الکتاب الکریم جذب القلوب والارواح من الاشتغال بالخلق الی الاستغراق فی معرفۃ الحق۔ یعنی اس قرآن حکیم کا مقصد یہ ہے کہ قلب و روح کا رُخ مخلوق ہیں، محویت سے موڑ کر خالق کی معرفت کی طرف پھیر دے۔

پھر اس بیان کو اتنا پھیلایا ہے کہ قاری کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ کتاب نہ جانے کتنے علوم کی تحصیل کے لئے محرک ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً :-

(۱) آسمانوں کی تخلیق میں اہلِ عقل کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اس سے علم ہیئت کی تحریک ہوتی ہے۔

(۲) زمین کی تحقیق پر غور کرنے کے لئے علم طبقات الارض (جیالوجی) علم آثار قدیمہ (آرکیالوجی) اور علم معدنیات (منرلوجی) میں تحقیق و ترقی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

(۳) رات دن کا آنا جانا۔ اہل علم کو علم طبیعیات اور جغرافیہ میں تحقیق کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) زمین کی مخلوق جانوروں کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آتا ہے جو علم الحیوانات میں تحقیق کا دروازہ کھولنے کا محرک ہے۔

اسی طرح اگر ہم قرآن کریم میں بیان کردہ توحید کے دلائل پر غور کریں تو واقعی یوں لگتا ہے جیسے کہنے والے نے مبالغہ سے کام نہیں لیا کہ ع

این کتابے نیست چیزے دیگر است

مثال کے طور پر سورۃ الروم کی آیت ۲۰ سے آیت ۲۷ پر غور کریں تو علوم و معارف کے سمندر موجیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آیت ۲۰ علم الانسان یا انتھراپالوجی میں تحقیق کی دعوت ملتی ہے اس میں انسان کی داخلی اور خارجی مؤثرات اور کیفیات پر تحقیق کرنے کی تحریک ہوئی ہے مثلاً علم تشریح الاعضاء (فزیالوجی) اناٹومی، طب، اور نفسیات کے علوم پھوٹتے ہیں۔

آیت ۲۱ سے علم الاخلاق، سیاسیات، معاشیات اور عمرانیات میں تحقیق کا دروازہ کھلتا ہے جنہیں آج کی زبان میں مارل فلاسوفی، سوشل سائنسز اور پولیٹیکل سائنس کہتے ہیں۔

آیت ۲۲، ۲۳ سے ارض و سما کے متعلق علوم مثلاً علم طبقات الارض (جیالوجی) وغیرہ علم ہیئت لسانیات (فلالوجی) اور علم لغت وغیرہ علوم کی تحریک ہوتی ہے۔

آیت ۲۴ سے طبیعیات، علم الحیوانات اور نیچرل فلاسوفی میں تحقیق کی راہ کھلتی ہے آخری آیت سے حیات بعد موت اور ما بعد الطبیعات (میٹافزکس) کی تحریک ہوتی ہے۔

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ تعمیر حیات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مگر جب ہر طرح داخلی اور خارجی امن و امان کی فضا قائم ہوئی تو مسلمانوں نے قرآن حکیم کی تحریک پر علوم و فنون اور تحقیق کے میدان میں ترقی کرنا شروع کیا چنانچہ خلفائے عباسیہ کے عہد میں یہ تحقیقی کام زندگی کے تمام شعبوں میں انتہائی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ اپنے چھوڑ بیگانے بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک مغربی مفکر لکھتا ہے۔

Thanks to the teachings of Koran the Arabs became the first people in history to be fully aware of the life & death of civilization. (A.J. Arberry)

Story of Civilization

The Koran has for thirteen centuries filled the memories, aroused the imagination, molded the charact-er, and perhaps chilled

the ~~character~~ intellect of hundreds and millions of men. It gave the simple Souls the simplest, least mystical least ritualistic of all creeds, free from idolatory and sacerdotalism. Its message raised the moral and cultural level of its followers, promoted social order and unity, inculcated hygeine, lessend superstitions and cruelty, betterd the condition of slaves, lifted the lowly to dignity and pride and produced amoung Muslims a degree of sobriety and temperance unequalled elsewhere in the white Man's world.

تاریخ شاہد ہے کہ قرآنِ حکیم نہ صرف علوم وفنون کی تخلیق اور تحقیق میں محرک ثابت ہوا بلکہ اس کی تعلیمات نے عملاً انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ مثال قائم کی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جب سے مسلمانوں نے اس کتاب سے صرف یہی کام لینا شروع کیا کہ ؎

کہ از یٰسین او آساں بمیری

تو وہ نہ صرف علوم وفنون میں احساس کمتری کا شکار ہونے لگے بلکہ عملی زندگی میں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی

خدا بیزار اقوام کی نقالی کو ہی سرمایۂ افتخار بنا بیٹھے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ حاملینِ قرآن کہلانے والی قوم پھر اس نسخۂ کیمیا سے اپنے دکھوں کے علاج کی ناکہ کی طرف پلٹے۔

گر ہمی خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

ادارہ

گفتگو

محترمی جناب قریشی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ پہنچا۔ آپ کے سوالات کے جوابات نمبروار پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) آپ کا سلسلہ نقشبندیہ کیوں کہلاتا ہے؟ کیا اس کا تعلق خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ کے سلسلہ نقشبندیہ سے ہے؟ اگر نہیں تو وجہ تسمیہ کیا ہے؟

تصوف و سلوک کے سلاسل کی حقیقت یہ ہے کہ اہلِ فن نے روحانی تربیت کے مختلف طریقے اپنا کر مخلوق کی اصلاح کی ہے پھر حضرات صوفیہ میں سے کسی نے ان میں سے کسی ایک طریقہ کو اختیار کر کے اس میں حاصل کیا۔ اس بنا پر چار طریقہائے "تربیت" ہو گئے جنہیں نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ہمارے سلسلے میں طریقۂ اصلاح "تربیت وہی ہے جو حضراتِ نقشبندیہ نے اپنا کر اس میں پہلے مخصص چونکہ خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ تھے اس لئے اس طریق تربیت کا نام سلسلہ نقشبندیہ ہوا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کسی ایک سلسلے والے صرف اپنے سلسلہ کے طریق تربیت سے واقف ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کو کاملین کی طرف سے تربیت و اصلاح کی اجازت ملتی ہے انہیں چاروں طریقوں سے تربیت کرنے کا سلیقہ آتا ہے گو درجۂ تخصص کسی ایک میں حاصل ہوتا ہے۔

(۲) اویسی طریقہ سے حصولِ فیض:۔

یہ نظریہ نقشبندیہ اویسیہ کا نہیں بلکہ تمام محققین کاملین صوفیہ کا ہے خواہ وہ کسی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہوں تمام اکابر صوفیہ نے روح سے فیض حاصل کر کے ہی اتنے بلند مقامات حاصل کئے۔ مثال کے طور پر دیکھئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سلسلہ قادریہ کے موسس ہیں انہیں منصب کے اعتبار سے غوثِ اعظم کہا جاتا ہے اور منازلِ سلوک کے اعتبار سے یہ وہاں پہنچے جہاں کوئی صوفی نہ پہنچا ان کے شیخ چار تھے مگر آپ نے اس بلندی پر پہنچنے کے لئے روحانی یا اویسی طریقہ سے فیض حاصل کیا۔ یہی حال تمام اکابر صوفیہ کا ہے۔

مرشدؒ کی وفات کے بعد نئے مرشد کی ضرورت اس

وجہ سے ہوتی ہے کہ اگر مرشد اوّل نے سالک کا روحانی رابطہ کسی کامل کی روح سے نہ کرایا ہو تو روحانی طور پر فیض حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ روحانی رابطہ کرانے کے لئے زندہ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ کسی شخص نے اپنا جنریٹر لگا کر کوٹی گھر روشن کر دیا۔ اگر وہ اپنا جنریٹر اٹھا لے جائے تو روشنی کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ جانے سے پہلے اس گھر کا تعلق کسی پاور ہاؤس کے ساتھ جوڑ دے تو اس کا جنریٹر اٹھ جانے کے بعد بھی پاور ہاؤس سے اس کو برابر روشنی ملتی رہے گی بہرحال اس ہاتھ کی ضرورت ہے جو کسی گھر کا شو کیر اس پلگ کے ساتھ جوڑ دے جس میں بجلی کسی پاور ہاؤس سے آ رہی ہے۔

(۳) اگر مرشد کی وفات کے بعد دوسرا مرشد اختیار کیا جائے تو پہلے مرشد کا ترک لازم آئے گا جو بے ادبی اور بے وفائی ہے اس کی تعلیم ترک کرنا پڑے گی۔ ۔ ۔ ۔ الخ

یہاں سب سے پہلے غلط فہمی یہ ہے کہ "مرشدوں" کو مخالف اور متحارب کیمپوں کے نمائندے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ سب ایک ہی قافلہ ہے۔

دوسری غلطی یہ جو دین کے بارے میں عام ہے کہ ہر معاملے میں ذاتی رائے پر اعتبار کیا جاتا ہے، حالانکہ اصول یہ ہے کہ فن کی بات اہلِ فن سے پوچھنی چاہیئے۔ اہلِ فن کے ہاں شیخ کی وفات چھوڑ شیخ کی موجودگی میں دوسرے شیخ سے فیض حاصل کرنے کی اجازت ہے ہاں اس کے لئے شرائط ہیں کہ پہلے شیخ سے بدگمانی نہ ہو بے ادبی نہ کرے اور شیخ کی وفات کے بعد تو دوسرے شیخ کے پاس جانا ضروری ہے اگر اصلاح مقصود ہے اور اگر شخصیت پرستی کرنی ہے تو پھر ضرورت نہیں۔

دیکھیئے مکتوبات امام ربانیؒ۔

ذرا اس اصول کو ظاہری علوم کی تعلیم میں دیکھیئے۔ اگر ایک لڑکا میٹرک پاس ہو گیا ہو تو کیا کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہ جائے کہ پرانے استادوں سے بے وفائی، بے ادبی اور گستاخی ہوتی ہے اور confusion ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں دل و دماغ سے محو کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسی بنیاد پر آگے تعمیری کام جاری رکھنا ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکا سکول یا کالج میں پڑھ رہا ہے استاد فوت ہو چکا ہے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو استاد کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے تعلیم ختم کر دے اور استاد کی یاد میں آنسو بہاتا رہے اور اسی تعلیم کی جگالی کرتا رہے جو استاد اوّل دے گیا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرا استاد تلاش کرے مگر یہ اسی وقت ہو گا جب اس کا مقصد حصولِ تعلیم ہو۔ یہ اندیشہ کہ مرشد اوّل کی بے ادبی ہے محض بچگانہ ہے اگر کوئی طالب علم PHD بھی ہو جائے تو اپنے پرائمری والے استاد کا بھی احسان مند رہے گا کہ بنیاد اسی نے رکھی تھی۔ بشرطیکہ اس کے اندر کا انسان مر نہ چکا ہو۔

(۴) بلغۃ الحیران کے حوالے سے دو قسم کے حضرات کو ناگواری کا احساس ہوا اوّل وہ جو کشف اور خواب کی حقیقت سے ناواقف ہیں دوسرے وہ جنہیں دوسروں کی پگڑی اچھالنے کے لئے بہانہ چاہیئے اور ہمیں دونوں قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اس لئے دلائل السلوک کی طبع جدید میں ایک ضمیمہ لگا کر اس کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ

پیا اُردو ایڈیشن سے کراس ضمیمہ کا مطالعہ فرمالیں. مختصر یہ ہے کہ کشف یا خواب کی صورت code کی ہوتی ہے جسے Decode کرنا پڑتا ہے اسی کو تعبیر خواب کہتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ کو اس قسم کے خواب نظر آتے تھے اور ان کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ ایک شخص محدث بن کر اور دوسرا فقیہہ بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی خدمت کرے گا. چنانچہ ایسا ہی ہوا.

والسلام

ناچیز عبدالرزاق عفی عنہٗ

محترمی جناب قریشی صاحب عافیت بخیر باد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

کئی روز ہوئے گرامی نامہ پہنچا مگر بوجوہ جواب میں تاخیر ہوگئی.

(۱) خدا جانے آپ کو یہ غلط فہمی کیونکر ہوگئی کہ "آپ کے سلسلہ میں روحانی تعلق پر بہت زور دیا گیا ہے اور یہ کہ کسی رُوح سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے" حالانکہ نہ اس پر زور دیا گیا ہے نہ یہ ضروری ہے صرف اتنی بات ہے کہ ہمارے سلسلہ میں یہ ہوتا آیا ہے اور ضرورت محسوس ہو تو ایسا ہوا کرتا ہے بس. ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب زندہ مرشد کسی ایسے سالک کی تربیت کر رہا ہو جس میں کامل استعداد ہو اور مرشد اسے اس مقام پر لے گیا جہاں سے آگے اس کی رسائی نہیں اب ضرورت ہوئی کہ اس صاحب استعداد سالک کی روح کا رابطہ کسی ایسی ہستی سے کرا دیا جائے جو روحانی طور پر اس کی تربیت کرتی رہے. اور سب سلسلوں میں یہی اصول ہے کہ ایسی ضرورت کے وقت یہی کچھ کیا جاتا ہے.

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق کیا عرض کروں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ مقام رضا تک پہنچنے کی تڑپ رکھے گو وہاں تو لاکھوں میں سے کوئی ایک پہنچا ہوگا: تو سلوک میں مقام رضا بہت بلند مقام ہے حضرت غوث اعظمؒ کے بغیر کوئی ولی اللہ اس مقام تک نہیں پہنچا. پھر وہ پہنچے کیسے ظاہر ہے کہ ان کے شیخ ابوسعید مبارک بن علی نے ان میں استعداد دیکھی اور روح سے ان کا رابطہ کرا دیا چنانچہ آپ نے حضور اکرمؐ کی روح پُرفتوح کی تربیت سے مقامات سلوک طے کیئے، یہ سلسلہ نادر یہ کی بات ہے اسی طرح ہر سلسلے میں روح سے اخذ فیض کا طریقہ ملتا ہے جہاں ضرورت ہوئی اس سے کام لیا گیا.

(۲) "مختلف مرشدوں کا طریقہ تعلیم ان کے ذہن میں تناؤ پیدا کرتا ہے" تناؤ پیدا ہونے کی وجوہات ہیں:-

اوّل یہ کہ مرید نے اپنے ذہن میں کمال کا ایک معیار قائم کیا ہوا ہوتا ہے اور وہ ہوتا غلط ہے. مگر مرید کی انا کو ٹھیس لگتی ہے تو تناؤ پیدا ہوتا ہے.

دوم. مرید نے طریقہ تعلیم کی کوئی خاص شکل اپنے طور پر معیاری فرض کر لی ہوتی ہے شیخ اپنے طریقے سے تعلیم کرتا ہے تو مرید کا بستہ پائی پائی ہو جاتا ہے اور تناؤ پیدا ہوتا ہے.

سوم. یہ مرید اور شیخ میں طبعی مناسبت نہیں ہوتی.

چہارم. یہ مرید کسی درجے میں اپنے آپ کو کامل سمجھتا ہے

ہذا اس کا جی چاہتا ہے کہ شیخ میری مرضی کے تابع ہو اور یہ بات خلافِ قاعدہ ہے لہذا تناؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں مگر وہ مرید کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ تصوف میں تو پہلا اصول ہے

المرید لا یرید

(۳) مرشد کی اولاد:۔ یہ موضوع بہت نازک ہے اور اس المیہ سے پوری اُمت دوچار ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ مرشد کی اولاد کا لازماً کامل ہونا ممکن نہیں جب ایک جلیل القدر نبی کا بیٹا باپ سے مناسبت اس حد تک کھو بیٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہ لیس من اھلک تو آج کے مرشد ایسے کون سے برگزیدہ ہیں کہ ان کی اولاد لازماً کامل ہو اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ مرشد کی اولاد کودن ہو۔

یہ تو درست ہے کہ مرشد کے مرتے ہی اس کے بیٹے کو تمام مریدین حصولِ فیض کے لئے منتخب کرتے ہیں کیونکہ ان کے مرشد سے اس کا جسمانی اور روحانی تعلق ہوتا ہے"

سب سے پہلے تو یہ امر قابلِ غور ہے کہ یہ Appointing Authority مریدین کس بنا پر ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ ا۔م۔ڈ مر گئے اور محکمے کے تمام ملازموں نے مل کر اس کے بیٹے کو ا۔م۔ڈ بنا دیا ہو۔ کیا اس کا جسمانی اور روحانی تعلق اپنے والد سے نہیں ہوتا۔ انجینئر مر جائے تو اس کے بیٹے کو انجینئر نہیں بنا دیتے ہاں ڈگری ڈپلوما تعلیم عملی تجربہ ضرور دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر کے مرتے ہی اس کا بیٹا سرجری نہیں شروع کر دیتا۔ ہاں نمبردار مرے تو اس کا بیٹا صرف بیٹا ہونے کی بنا پر نمبردار بن جاتا ہے کیونکہ اس کا کام مالیہ وصول کرنا اور شجرہ ترہ قابو کر لینا ہوتا ہے۔ اس کو واقعی اپنی سات پشتوں سے فیض پہنچتا ہے۔ مگر ا۔م۔ڈ انجینئر۔ ڈاکٹر وغیرہ کسی کو فیض نہیں پہنچتا تو آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ سید کا بیٹا لکھے ہیر اور سکھ کا بیٹا لکھے تفسیر۔

دوسری بات یہ ہے کہ مریدوں نے یہ تو دیکھ لیا کہ بیٹے کا باپ سے جسمانی تعلق ہے مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ روحانی تعلق بھی ہے۔ یہ حصہ بالکل فرضی ہوتا ہے اور سارا محل اسی فرضی بنیاد پر تعمیر ہوتا ہے۔ فرضی روحانی تعلق سے فرضی روحانی فیض کی شق نکال لی جاتی ہے سچ کہا کسی نے

یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ
کانوں سے سنا سب نے مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

خدا جانے ان لوگوں نے ذہن میں لفظِ فیض کا مفہوم کیا ہے ان موروثی مراکزِ فیض کا آپ سروے کر کے دیکھیں کہ

ا۔ ان کے کتنے مریدوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئی۔

ب۔ کس نوع کی خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی۔

ج۔ ان کے عقائد، عبادات، معاملات اخلاق میں کیا انقلاب آیا کیونکہ فیض تو دراصل وہ نور ہے جس سے شرح صدر ہوتا ہے اور جس کی نشانی صحابہؓ کے پوچھنے پر حضورؐ نے بتائی کہ

التجافی عن دار الغرور۔ والانابۃ الی دار الخلود

ع۔ گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

(۴) مرشد وظیفہ بتا دیتا ہے۔ وظیفے میں کمال حاصل کرنے سے سلوک کے منازل طے ہوتے ہیں ۔۔۔۔

یہ مفروضہ از ابتدا تا آخر غلط فہمیوں کا انبار ہے۔ وظیفہ ذکر لسانی ہوتا ہے۔ ذکر لسانی محض کا منازل سلوک سے دُور کا تعلق بھی نہیں۔ ہاں اس سے ثواب ملتا ہے۔ ذکر لسانی اگر توجہ قلبی کے ساتھ ہو تو اس سے ذکر قلبی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے اور ذکر قلبی سے لطائف منور ہوتے ہیں جب یہ لطائف راسخ ہو جائیں تو گویا منازل سلوک کی بنیاد رکھ دی گئی صرف اس بنیاد پر آئندہ سارا تعمیری کام ہوتا ہے اب آپ ذرا یہ سروے کر کے بھی دیکھیں کہ وہ کون کون سے مراکز فیض ہیں جہاں مریدوں کے لطائف منور کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے؟ آپ پوری مایوسی سے کر لوٹیں گے بلکہ جن کو سات پشتوں سے فیض پہنچتا ہے وہ بیچارے لطائف کے نام سے بھی آشنا نہیں ہوتے۔ ذکر قلبی صحبت اور تربیت شیخ سے جب لطائف راسخ ہو جاتے ہیں تو روح میں قوت پرواز پیدا ہوتی ہے پھر مراقبات ثلاثہ کرائے جاتے ہیں اور اس قوتِ پرواز سے سالک کی روح مقام احدیت معیت اور اقربیت کی برکات سے مستفیض ہوتی ہے پھر ہوتے ہوتے مراقبہ فنا بقا کرایا جاتا ہے اور سالک Damp Proof تک پہنچ گیا منازل تو اس سے آگے شروع ہوتی ہیں۔ آپ دلائل السلوک کا "تازہ ایڈیشن" لے کر اس کا ضمیمہ پڑھ لیں رہا بریلوی حضرات کا اعتراض تو یہ ایک فطری بات ہے مولانا تھانوی رح نے کسی سے پوچھا تھا کہ آج کل اعتراضات کی بہتات ہے فرمایا اعتراض کرنا جہالت کی علامت ہے اور جواب دینا علم کی چونکہ علم کم ہو رہا ہے جہالت بڑھ رہی ہے اس لئے اعتراض زیادہ ہو رہے ہیں اور جواب کم۔ جہاں جہالت اور تعصب اور حسد اکٹھے ہو جائیں وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

میں نے ایک کتابچہ بعنوان "تصوف اور تعمیر سیرت" لکھا ہے میرے پاس سٹاک ختم ہو گیا ہے کہیں سے لیکر آپ ضرور اس کا مطالعہ فرمادیں۔

والسلام

ناچیز عبدالرزاق عفی عنہٗ

اپنایا ہے۔ اس ذمہ داری کے دو پہلو ہیں۔ ایک کا نام حقوق اللہ ہے دوسرے کا نام حقوق العباد ہے۔ ان دونوں پہلوؤں پر پیش نظر اگر آج ہم اپنے ماضی کا محاسبہ کریں تو من حیث القوم دونوں پہلوؤں میں نتائج انتہائی حوصلہ شکن صورت میں سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر آزادی کے معاملے کو لیجیے آزادی لیتے وقت اور آزادی ملتے وقت قوم بڑے جوش سے یہ نعرہ لگاتی رہی کہ پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ یعنی آزادی کے حصول کے لیے اسلام کا نام بھی لیا گیا اسلام کا واسطہ بھی دیا گیا مگر آزادی ملنے کے بعد وہ جوش ختم ہوا وہ نعرہ یوں بھلایا جیسے کبھی کوئی ایسی بات کہی ہی نہیں گئی تھی۔ کاشتکاروں کا کہنا ہے کہ مکڑی تو اڑ جاتی ہے مگر لونگ چھوڑ جاتی ہے اور یہ اڑ تو سکتا نہیں اس لیے یہ مکڑی سے بھی زیادہ تباہی مچاتا ہے۔ بس کچھ ایسی صورت یہاں سامنے آئی پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ کہنے والی قوم کی زبان سے اس طرح کی آوازیں اٹھنے لگیں کہ یہ تقسیم تو محض معاشی بنیادوں پر ہوئی۔ سیکولر سٹیٹ بنانا مقصد تھا۔ اسلام پرانے زمانے کی ضروریات کے پیش نظر واقعی راہنمائی کرسکتا تھا مگر موجودہ دور کے تقاضے پورے کرنا اسلام کے بس کا روگ نہیں سوشلزم ہی اصلی اسلام ہے۔ نہیں مانتے تو اسلامی سوشلزم سہی وغیرہ جو قوم آزادی لیتے وقت ایک نظریے پر جمع تھی اور یک زبان ہو کر نعرے لگا رہی تھی کہ پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ آزادی ملنے کے بعد یوں محسوس ہونے لگا جیسے کوئی سبزی منڈی ہے جس میں مختلف آڑھتی مختلف سبزیاں نیلام کر رہے ہیں۔ اور بولیاں دی جا رہی ہیں ایک شور برپا ہے کوئی کسی کی نہیں سنتا سب کو اپنی پڑی ہے۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قوم نے وہ نعرہ سارے کا سارا نہیں بھلایا بلکہ ایک حصے کو پلے باندھ لیا اور ایک حصہ کو زائد سمجھ کر ترک کر دیا۔ یعنی قوم پر لا الٰہ پر رک گئی اور اسی کو کافی سمجھا۔ الا اللہ گویا محض برائے وزن شعر تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آزادی ملنے کے بعد یہ پہلی قومی بددیانتی ہے جو قوم نے اپنے خالق، اپنے دین اور اپنے ملک کے ساتھ کی۔ اور لطف یہ کہ یہ بددیانتی کوئی وقتی ذہول یا اچانک حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ تئیس تیئیس برس تک مسلسل اس بددیانتی کو قوم کا نصب العین سمجھ کر اپنائے رکھا۔ اب جو کہا جاتا ہے کہ قوم کے سامنے بڑے سنگین مسائل ہیں۔ حقائق پر نگاہ کی جائے تو یوں لگتا ہے کہ قوم کے سامنے مسائل نہیں بلکہ صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ ہے "بددیانتی" اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں جہاں تک اس کے اجتماعی پہلو کا تعلق ہے پندرھویں صدی کے استقبال کا طریقہ یہ ہے کہ عوام اپنے دل سے اپنے رب کے ساتھ یہ عہد کریں کہ اب ہم لازماً لا الٰہ الا اللہ کہنا ایک حلف وفاداری اور اس حلف نامہ کی تکمیل اس پورے جملے سے ہوتی ہے جس کا پورا حصہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس پورے حلف وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ میں عہد کرتا ہوں کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے رب کے کہنے پر چلوں گا اور اس راہ پر چلنے کا طریقہ ہادی برحق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھوں گا جہاں تک انفرادی زندگی کا تعلق ہے ہر مسلمان اپنے ماضی پر نگاہ ڈال کر اپنا محاسبہ کرے اور یہ دیکھے

خورشید رضوی

نعت

کہاں کہاں نہ ہُوا ذکرِ سیّدِ لولاک ﷺ
ثری سے تا بہ ثریّا، سمک سے تا بہ سماک

ہر ایک شے کی وہی علت اور وہی غایت
ہر اِک نمود میں پنہاں ہے نامِ احمدؐ پاک

ازل سے تا بہ ابد اُس کی گردِ پا نہ سکے
اُڑے ہزار تخیل کا توسنِ چالاک

سوائے وحی کوئی اُس کا بھید کیا کھولے
نہ عقل و فہم نہ وجداں نہ تیزئ ادراک

تو اس کی مدح و ثنا کر نہ سوچ شان اُسکی
کہاں وہ نور کہاں عقلِ تیرہ کے بیباک

کشیدہ کردہ جریدۂ مئے سخن شان اُسکی
کہیں نظیر نہ پائے کوئی نہ افلاک

نشید کردہ قصیدہ پڑھے جیسے رضوان
ہوائے باغِ جناں میں سبز سرمایۂ تاک

محمدؐ عربی فخرِ ہر رسُول و نبیؐ
وُہ جس کے فیض سے شاخِ زمانہ ہے نمناک

وُہ جس کے جسم کا سایہ نہ تھا، سلام سلام
وُہ جس کی رُوح کا ثانی نہیں، فداک فداک

اُسی کا ذکر ہے بگڑے ہوئے دلوں کا طبیب
اُسی کی یاد زمانے کے زہر کا تریاک

خدا بھی اس کے وسیلے سے ہاتھ آتا ہے
وگرنہ خاک کے بُت پوجتا یہ پیکرِ خاک

ہمارے دُکھ ہیں گراں جس پہ وُہ رؤف و رحیم
وُہ جس کی شان پہ شاہد ہے قول "ارسلناک"

ہم عاصیوں پہ نہ پوچھ اُس کی شفقتوں کا حساب
کہ جیسے خاک سے نعمت ملائے عالم پاک

تو اُس کے ظرفِ سماحت کو لغزشوں سے نہ ناپ
کبھی اُٹھا تو سہی چشمِ نادم و نمناک

خدا نصیب کرے وہ مقامِ یکسوئی
کہ دل ہو میلا، خیالِ رسول ہو فتراک

بسی ہو نافہ بجان ہاں وہ بوئے پاک رسولؐ
کہ ہوں میں روضۂ جنت میں زیرِ خاکِ مغاک

تیرے خیال سے فارغ ہو زندگی ہیہات
ترے جمال سے دل سیر ہو سکے حاشاک

جو تیرے ساتھ رہا وہ خدا کے ساتھ رہا
نصیب اہلِ مدینہ کہ اکرامو امثواک

تو جس کے ساتھ ہے اُسکو کسی کی کیا پروا
"گرم تو دوستی از دشم … م باک"

(حافظؒ)

مگر دست کہ تو سیّدی و مولائیؒ
بساز چارہ کہ لا ابتغی ولاء سواک

سول ایجنٹ: مدنی کتب خانہ

گنپت روڈ، لاہور نمبر ۲

ذوالقرنین چیمبر نمبر ۳۰۸

کہ اُس نے کس طرح اپنے خالق کے ساتھ بددیانتی کا رویّہ اختیار کیئے رکھّا ہے اور کس کس طریقے سے معاشرے میں رہ کر افراد کے ساتھ بددیانتی کا برتاؤ جاری رکھا ہے۔ اس پر نادم ہو اور اپنے آپ سے اور اپنے رب سے عہد کرے کہ حقوق العباد کی ذمّہ داری پُوری کرنے کے لیے میں اپنے رویّہ کو بدلنے کا مصمّم ارادہ کرتا ہوں اور حقوق العباد کے سلسلے میں آئندہ پُوری دیانتداری سے کام لوں گا۔ یقین جانئے کہ ربّ العالمین اپنا وعدہ ضرور پُورا کرے گا کہ ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(مدیر)

(تلخیص) ابوالحسن نقوی

دلائل السلوک

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

تصوف اور صوفیائے کرام کے متعلق عوام بلکہ بعض علماء کے دلوں میں بھی کچھ شبہات پائے جاتے ہیں اور بعض اوقات لوگ اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت دو الگ چیزیں ہیں، یا یہ کہ (معاذ اللہ) تصوف تکلیفات شرعیہ سے آزادی کا نام ہے، ان غلط فہمیوں کے ازالہ اور عوام و خواص دونوں کی علمی تشفی کی خاطر اللہ رب العزت نے یہ رسالہ تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ۔۔۔ اگرچہ میری زندگی کا اکثر حصہ متکلمین کے نہج پر اسلام کی عقانیت کے اثبات اور فرق باطلہ کی تردید میں گزرا ہے اور کلامی مباحث اور تصوف و سلوک میں بظاہر تغایر اور بعد نظر آتا ہے لیکن احقاق حق کے لئے علم کلام سے کام لینے اور تصوف کے ذریعہ ایمان و یقین کی کیفیت پیدا کرنے میں فرق صرف دلیل سمعی اور دلیل ذوقی کا ہے مگر بایں ہمہ لوگ یہ سن کر حیران ضرور ہوتے ہیں کہ وہ شخص جسے کل تک ہم ایک مناظر اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے جانتے تھے آج تصوف، ذکر، حلقہ ذکر، تزکیہ نفوس اور منازل سلوک پر اظہار خیال ہی نہیں کر رہا بلکہ اپنا روحانی رشتہ صوفیائے کرام سے جوڑ رہا ہے مگر ان کی حیرت پر تعجب ہوتا ہے:

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ — کیا وہی آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں۔

اور اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ۔

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255